علّامہ ابن تیمیّہ
اور اُن کے ہمعصر عُلماء



مُصنّف

مولانا حضرت شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددی

حضرت شاہ ابوالخیرؒ اکاڈمی دہلی ۶

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَھُمْ

عِلمی، تحقیقی جائزہ

علّامہ ابنِ تیمیّہ

اور

اُن کے ہمعصر عُلماء

تالیف

حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی مدظلہٗ

مدینتہ العلم دار العلوم مجددیہ

نور آباد - فتح گڑھ - سیالکوٹ

درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی۶

بارِ دوم
۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء

کتاب کا نام: علامہ ابن تیمیہؒ اور اُن کے ہمعصر علماء

صفحات: ۱۲۸

مُصنّف: حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی دامت برکاتہ (فاضل ازہر)

مهتمم: ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی

طابع وناشر: شاہ ابوالخیر اکاڈمی
درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر قُدّسَ سرُّہٗ
شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی - ۶

کتابت: محمد منظور الدین - ۴۶۵ - اندرونِ ٹٹیا محل - دہلی - ۶

تعداد: ایک ہزار

قیمت: بارہ ۱۲ روپے

فہرست کتاب "علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے ہمعصر علماء"

ادارِیّہ

جناب ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں حضرت والد ماجد دامت برکاتہ سے کتاب علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے ہمعصر علماء" طباعت کے واسطے لے گئے تھے۔ اِس کتاب کو مجلس روضۃ المعارف المجدّدیہ نے ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) میں مع تعارف نامہ کے جو کہ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے، چھپوایا۔ مجلس نے کتابت اور طباعت اچھی کرائی اور کاغذ بھی عمدہ استعمال کیا لیکن تصحیح بالکل ناقص ہے۔ مجلس نے کتاب کے صفحات کے اعداد ہندسوں سے لکھے ہیں جو کہ ۱۲۹ ہیں اور تعارف نامہ کے صفحات ابجد کے حساب سے بیان کئے ہیں جو لاؔ پر ختم ہوا ہے (۳۱ پر) اور باقی آٹھ صفحات کو بے عدد رکھا ہے۔

اب شاہ ابوالخیر اکاڈمی نے حضرت مصنّف دامت برکاتہ سے کتاب کی تصحیح کے واسطے گزارش کی اور آپ نے بہت دقیق نظر سے اِس کام کو انجام دیا، پھر آپ نے مضامین کی مفصّل فہرست اور مراجع کی فہرست مرتّب فرمائی، جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوگیا۔ اکاڈمی نے ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں صاحب کو بھی لکھا کہ وہ تعارف نامہ کو دیکھ لیں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے بھی تعارف نامہ کی تصحیح کی اور ساتھ ہی آپ نے مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی کا تبصرہ جو کہ حیدرآباد سے میگزین اسلامک کلچر میں چھپا ہے اور اس کا اردو ترجمہ ارسال کیا۔ چنانچہ یہ تبصرہ اور اس کا ترجمہ اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمہ اللہ کا تبصرہ جو "صدقِ جدید" میں چھپا تھا، کتاب کے ساتھ بہ حلیۂ طباعت آراستہ ہو رہے ہیں۔

جمعہ۔ ۱۷ رجب ۱۴۰۱ھ

۲۲ مئی ۱۹۸۱ء

محمد ابوالفضل فاروقی

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا تبصرہ

یہ تبصرہ ہفتہ وار "صدق جدید" لکھنؤ کی جلد ۲۶ نمبر ۲۶ یوم جمعہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۸ مئی ۱۹۷۶ء کے پرچہ کے صفحہ ۴ کالم ۲ میں چھپا ہے۔

"علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہمعصر علماء" ازمولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی، ۱۲۹ صفحات قیمت ۳ رو پیہ۔ پتہ شاہ ابوالحسن زید، درگاہ شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی ۶
ابن تیمیہ کی شخصیت معرکۃ الآراء رہی ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک وہ محقق اور فاضل ہیں اور دوسرے گروہ کے نزدیک تشدد و تقشف کا مجموعہ۔ ایک سلجھے ہوئے اہلِ قلم نے اُن کے متعلق بڑا متوازن تبصرہ کیا ہے اور ابنِ تیمیہ کی اصل عبارتوں کا ترجمہ بھی دے دیا ہے اور جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے معاصرین کو کن اسباب سے غلط فہمی ہوئی۔ کتاب ابن تیمیہ کے موافقین و مخالفین دونوں کے پڑھنے کے قابل ہے اور مصنف نے اس سلسلہ میں ایک بڑا کام کر دیا ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے تبصرے کا ترجمہ

آپ کا تبصرہ مجلہ اسلامک کلچر جلد نمبر ۱۷ شمارہ ۲
اپریل ۱۹۸۰ء (حیدر آباد، ہندوستان) میں چھپا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ (۱۲۶۵ء۔ ۱۳۲۸ء) کی شخصیت علمائے اسلام میں ہمیشہ نزاعی رہی ہے، ایک طرف یہ بات مُسلّم ہے کہ اُن کا شمار اسلام کے اُن عظیم تر متبحر علمائے کرام میں کیا جاتا ہے، جن میں قلب و نظر کے نادر اوصاف (بڑی خوبصورتی سے) ہم آمیز ہوگئے تھے۔ وہ ایک ہمہ گیر مصنف تھے، ان کی تحریر و تقریر میں بڑا زور ہوتا تھا انھوں نے عمر بھر سادگی و شرافت اور زہد و تقوی کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور دوسری طرف یہ دیکھا گیا کہ اسلام کے مشہور اور جیّد علماء امام غزالی اور ابن عربی سے بعض امور میں کچھ اختلاف تھا، اس وجہ سے ابن تیمیہ نے اُن پر بڑی سختی سے کڑی تنقید کی، اس معاملہ میں اعتدال و احتیاط کو نظر انداز کر کے متعصبانہ رویہ اختیار کیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے متضاد احوال کی وجہ سے دشمن بھی بہت بنائے اور دوست بھی، مداحوں کا بھی ایک بڑا حلقہ بنایا اور نکتہ چینوں کا بھی، حامیوں کی بھی ایک کثیر تعداد ملی اور مخالفوں کی بھی۔

علامہ ابن تیمیہ نے اسلامی اور یونانی علوم کا اکتساب اس زمانہ کے نامور اساتذہ سے کیا۔ اور ایک مدرّس کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی، ابھی صرف بیس سال کے تھے کہ اپنے علم کی ہمہ گیری و گہرائی اور اپنی خطابت و تحریروں کے تنوع کے سبب سارے عالم اسلام میں مشہور و ممتاز ہوگئے، اور اس وقت کے مشہور علمائے کرام نے اس نوجوان علامہ کی دل کھول کر تعریف و توصیف کی، چالیس سال کی عمر تک وہ بجا طور پر اِس تعریف و توصیف کے مستحق بھی رہے۔

یوں تو وہ حنبلی سمجھے جاتے تھے، مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک آزاد خیال مفکر اسلام تھے۔ انھوں نے چند اہم مسائل میں جمہور علماء کے اجماع کے بالکل خلاف اپنے ذاتی خیالات کا بڑی بے باکی سے اظہار کر دیا ہے۔

ابن تیمیہ کی لگ بھگ ایک سو کتابوں کو سامنے رکھ کر اگر تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ

اصحاب مذاہب سے اُن کے اختلافات چار قسم کے ہیں۔

۱۔ اگرچہ ابن تیمیہ اپنے کو امام احمد بن حنبل کا پیرو بتاتے ہیں، باوجود اس کے انھوں نے چھبیس ۲۶ مسائل میں اختلاف کیا ہے۔

۲۔ سولہ ۱۶ مسائل میں احمد بن حنبل کے مسلک کو قطعی طور سے نظر انداز کر کے باقی تین اماموں میں سے کسی ایک کے مسلک کو اختیار کیا ہے۔

۳۔ اُنتالیس ۳۹ مسائل میں انھوں نے چاروں ائمہ کے فیصلوں کو چھوڑ کر اپنی آزاد رائے کو ترجیح دی ہے۔

۴۔ اُنتالیس ۳۹ مسائل ایسے ہیں جہاں انھوں نے اجماعِ امت کو نظر انداز کر دیا ہے اور اپنی ذاتی رائے کو اہمیت دی ہے۔

یہ آخری قسم ابن تیمیہ کے شذوذات اور خصوصی مسائل کہلاتے ہیں، وہ ان مسائل میں مُنفرد ہیں ان شذوذات میں مندرجہ ذیل مسائل بھی شامل ہیں۔

(الف) آیت مبارکہ "اَلرَّحمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی" کے بیان میں مجسّماتی تعبیر۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کے قصد اور نیت سے سفر کرنے کو شرعًا ناجائز قرار دینا۔

(ج) ایام حیض میں دی گئی طلاق کو ناجائز ٹھہرانا۔

ابن تیمیہ کے اس قسم کے موقف و مسلک نے اسلامی دنیا میں طوفان برپا کر دیا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ ابن تیمیہ نے اپنی عمر کی آخری منزلوں میں اپنے شاذ خیالات اور بے باکانہ تعبیرات کے سبب بہت سے ایسے ہم عصر علماء کو جو اُن کے معتقد اور مداح تھے، اپنا کٹّر مخالف بنالیا، اب ایک طرف ایک اسلامی فرقہ بڑے خلوص سے ان کا وفادار ہے اور دوسری طرف متعدد اسلامی فرقے یکسر ان کے مخالف اور ملامت کنندہ ہیں۔

ان دونوں گرہوں کو چھوڑ کے ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو واقعات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں، یہ لوگ علامہ ابن تیمیہ کے علمی تبحّر اُن کی اہلیت، صلاحیت اور قابلیت اور اسلامیات کے میدان میں اُن کی شاندار خدمات کے معترف و مداح ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اُن کے مندرجہ بالا چاروں شقوں کے تحت آنے والے خیالات و آراء کو ماننے سے صاف انکار کر دیتے ہیں، اس طرح یہ تیسرا گروہ ایک عظیم اسلامی مفکر اور عالم کے مرتبہ اور مقام کے تعین کے سلسلے میں خوبیوں اور خامیوں، دونوں کو نظر میں رکھتے ہوئے پوری احتیاط ملحوظ رکھتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مصنف جو مشہور عالم دین اور صوفی بزرگ ہیں، اسی تیسرے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، انھوں نے تصویر کے دونوں رخ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، علامہ ابن تیمیہ کی سوانح حیات کا ایک خاکہ پیش کرنے کے بعد انھوں نے ابن تیمیہ کے بارے میں ہمعصر علماء کی رایوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کے بعد قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف مکاتیب خیال پر بحث کرکے نتائج اخذ کئے ہیں، کہیں ابن تیمیہ سے اتفاق اور کہیں اختلاف۔

یہ سارا مقالہ عالمانہ تحقیق کا اچھا نمونہ ہے اور پڑھنے والے کو بصیرت بخشتا ہے۔

کتاب کا دیباچہ صدر شعبۂ عربی جامعہ عثمانیہ ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نے لکھا ہے، انھوں نے فاضل مصنف کی سوانح عمری اور علمی شغف کا ذکر کرکے کتاب کی خوبی میں چار چاند لگائے ہیں۔

(سعید احمد اکبر آبادی)

قصیدۂ بُردہ
کے
سات شعر اور اُن کا ترجمہ

۱ مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْـ ـنِ وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَمِنْ عَجَمِ
۲ هُوَالْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ لِکُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
۳ فَاقَ النَّبِیّٖنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمِ
۴ وَکُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْرَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ
۵ فَهُوَالَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ
۶ مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُالْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ
۷ وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ

ترجمہ

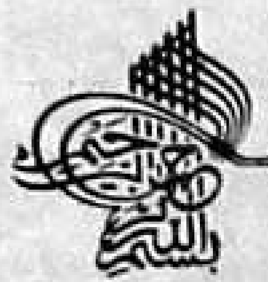
۱۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، جن وانس اور دونوں فریقوں عرب وعجم کے سردار ہیں۔
۲۔ وہی اللہ کے ایسے محبوب ہیں کہ پیش آنے والی آفتوں میں سے ہر آفت کے وقت انکی شفاعت کی آس لگی رہتی ہے۔
۳۔ وہ اپنی پیدائش وخلقت میں اور اپنے اخلاق میں تمام انبیاء پر سبقت لے گئے ہیں اور وہ آپ کے علم وکرم کو نہیں پا سکے ہیں۔
۴۔ وہ سب آپ سے اس طرح مُلتمس ہیں جیسے دریا سے ایک چُلّو اور مینہ سے ایک گھونٹ کی رہا کرتی ہے۔
۵۔ آپ ہی وہ ہیں کہ جن کے ظاہری وباطنی کمالات انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور خالقِ کائنات نے ان کو اپنا حبیب چن لیا ہے۔
۶۔ وہ اپنی خوبیوں میں شریک سے پاک اور منزّہ ہیں اور اُن کا جوہرِ حُسن منقسم نہیں ہے۔
۷۔ جتنا بھی چاہو آپ کی ذات کو شرف سے نسبت دو اور جس قدر چاہو آپ کے مرتبہ کو بزرگی سے بیان کرو۔

اے اللہ تو ان پر اپنی خاص رحمت اور سلام نازل فرما۔

تعارُف وتشکّر

از

جناب (ڈاکٹر) مولانا محمد عبد السّتار خاں صاحب نقشبندی وقادری
استاذ عربی جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، پی۔اے



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالشُّکْرُ لَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ وَاَحَبَّھُمْ

بندۂ عاجز عرض پرداز ہے کہ الحمد للہ ہندوستان ایک مردم خیز خطہ ہے۔ اس کے ہر دور میں بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور علم ودین اور رشد وہدایت کے چشمے جاری کئے۔ اس صدی میں جن علمائے حق نے اس ملک میں علم وعمل اور حق وصداقت کی روشنی پھیلائی ہے اور جن کے انفاسِ قدسیہ سے خواص وعوام کی اصلاح ہو رہی ہے اُن میں عارف باللہ مخدومنا حضرت مولانا شاہ ابو الحسن زید فاروقی مجددی اَمَدَّ اللّٰہُ فَیْضَہُ السَّارِیْ وَنَفَعَ

بِمَعَارِفِہِ الْقَاصِیِ وَالدَّانِی، ایک خاص اور ممتاز شخصیت کے مالک ہیں حضرت مدظلہ کی پوری زندگی تحصیل علم و مطالعہ اور تصنیف و تالیف اور ارشاد و تربیت میں گزری ہے۔ نام و نمود، ریا اور نمائش سے الگ رہ کر للہ اور فی اللہ یہ گراں مایہ خدمات انجام دیئے جا رہے ہیں۔ آپ کا ظاہر بہت سادہ اور بے تکلف ہے، لیکن باطن شگفتہ، تابناک اور حد درجہ اثر انگیز۔

حضرت کا ذریعۂ معاش وہی توکل ہے، جس پر عموماً اہل اللہ کا ہمیشہ مدار رہا ہے۔ اسی "وَادِیٔ اَیْمَن" میں حضرت شاہ صاحب مدظلہ اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کے علم و فضل اور وسعتِ مطالعہ و حسن نظر اور پھر جامع ازہر کے فارغ التحصیل ہونے کے اعتبار سے بڑی سے بڑی پیش کش ممکن تھی اور ہے لیکن آپ کو اپنی خانقاہ[1] (یعنی خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہٗ) کو جو کہ دہلی میں ہے چھوڑنا گوارا نہیں۔ علم سے لگاؤ، سادہ زندگی اور قناعت پسندی، ہمارے علماءِ سلف کی ایک امتیازی شان رہی ہے، جسے اِس دَور میں بھی بعض علماء نے قائم رکھا ہے اور اُن ہی میں اللہ کے فضل سے ہمارے شاہ صاحب مدظلہ بھی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہ اُس شجرِ طیّب کی شاخ ہیں جس پر حضرت خواجۂ خواجگان، قبلۂ حق پرستاں حضرت خواجۂ بیرنگ باقی باللہ قدس سرہٗ کا یہ شعر جو آپ نے ساقی نامہ میں فرمایا ہے، صادق آتا ہے ؎

ایں سلسلہ از طلائے ناب است
ایں خانہ تمام آفتاب است

اور یہ شعر کیوں صادق نہ آئے جب کہ حضرت خواجہ بیرنگ قدس سرہٗ نے اپنے مکتوب[2] گرامی ۶۵ کے آخر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور ان کی اولاد رحمہم اللہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے:۔

"فرزندانِ آں شیخ کہ اطفال اند، اسرارِ الٰہی اند، بالجملہ شجرۂ طیبہ اند، أَنْبَتَہُ اللہُ نَبَاتًا حَسَنًا" اور چار سطر کے بعد تحریر فرمایا ہے۔ "فقرائے باب اللہ اند، دلہائے عجب دارند"

---

[1] یہ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کی وہی خانقاہ ارشاد پناہ ہے جہاں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہما اللہ درسِ حدیث کے لئے الامام الحافظ الحجہ مسند وقتہ، ابوحنیفۂ عصرہ، و بخاری دھرہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی ثم المدنی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

[2] رقعات حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ۔

الحمدللہ "پیرِ باقی" کی دعا اپنے "مریدِ سرہندی" کے حق میں قبول ہوئی، جس کا اثر ہم آج تقریباً چار سو برس پر بھی دیکھ رہے ہیں، اور اِن شاءَ اللہ قیامت تک اس دعا کا اثر باقی رہے گا، اور حضرت امام ربّانی قدس سرہ کی مبارک اولاد اُمّتِ مُسلِمہ کو اپنے فیوض سے برابر مالامال کرتی رہے گی۔

ہم سے کتنے تری راہ میں برباد ہوئے تو سلامت رہے کوچہ تیرا آباد رہے

ابتدائی تعلیم آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ابوالخیر قدّسَ اللہُ سِرّہٗ نے خاص اپنی نگرانی میں دہلی کے علماء سے دلوائی اور پھر مدرسۂ عبدالرب (دہلی) میں داخل فرمایا، جہاں مولانا عبدالوہاب، جناب مولانا حکیم حجی محمد مظہراللہ، جناب مولانا محبوب الٰہی جیسے ماہر اساتذہ سے علوم متفرقہ کی کتابیں پڑھیں اور حدیث شریف کا دورہ حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی اور حضرت مولانا محمد شفیع (داماد مولانا محمود الحسن) کے حلقہ میں کیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ حرفاً حرفاً از اوّل تا آخر مولانا عبدالعلی سے اور جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور نسائی مولانا محمد شفیع سے پڑھیں اور ان متبحر علماء کے کامیاب ترین شاگرد رہ کر سندِ فراغ حاصل فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ کے علمی ذوق نے آپ کو آپ کے برادرِ خورد کے ہمراہ جامع ازہر پہنچایا۔ جہاں آپ نے چار برس زیرِ تعلیم رہ کر نصابِ تعلیمی عالمیہ میں جو فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، مصطلح، توحید، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع اور منطق پر مشتمل تھا، امتیازی کامیابی حاصل فرمائی اور علاوہ ازیں حدیث شریف کی اَسناد عالیہ مجاہدِ کبیر السیّد احمد الشریف السنوسی، محدث شام حضرت شیخ بدرالدین الدمشقی، محدّثِ غرب السیّد محمد عبدالحی الکتانی المغربی الفاسی، علامہ شیخ محمد بخیت المطیعی الحنفی اور شیخ محمد حبیب اللہ بن عبداللہ بن شیخ مایأبیٰ الشنقیطی رَحِمَهُمُ اللهُ سے حاصل فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ کے قلمی افادات کا آغاز مصر سے واپسی کے بعد سے ہوا، اور ہر تحریر میں اپنے ذہن کی اُپج، فہم و فراست کی بلندی، مطالعہ کی وسعت، نظر کی دقت اور گہرائی، اور قوت اجتہاد کے پائدار نقوش چھوڑے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ کے جملہ مضامین اور تالیفات کا احاطہ تو یہاں مشکل ہے، البتہ چند اہم تصنیفات کے نام یہ ہیں:-

١- اَلْاَسَانِیْدُ الْعَالِیَۃ مَعَ صُوَرِ الشَّہَادَہ (عربی۔ غیر مطبوع)

٢- اَلْخَیْرُ الْمَزِیْدُ فِیْ اِعْرَابِ الْاٰیَۃِ وَکَلِمَۃِ التَّوْحِیْدِ (عربی۔ غیر مطبوع)

٣- اَلْقَوْلُ السَّنِیُّ فِی الذَّبِّ عَنِ الشَّیْخِ عَبْدِ الْغَنِیِّ (فارسی۔ غیر مطبوع)

٤- اَلْحُجَّۃُ فِیْ مَسْأَلَۃِ اللِّحْیَۃِ وَالْقُبْضَۃِ (فارسی۔ غیر مطبوع)

٥- بزم خیر از زید در جواب بزم جمشید (اردو۔ مطبوع)

٦- مجموعۂ خیر البیان (اردو۔ مطبوع)

۷۔ مَنَاهِجُ السَّيْرِ وَمَدَارِجُ الْخَيْرِ (فارسی۔ مطبوع)

۸۔ تقویم خیری (اُردو۔ غیر مطبوع)

۹۔ رسالۂ خیر المقال فی رویۃ الہلال (اُردو۔ مطبوع)

۱۰۔ مسألۂ ضبط ولادت (اُردو۔ مطبوع)

۱۱۔ مَنْهَجُ الْاَلِبَّاءِ فِي السَّلَامِ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَالتَّرَضِّى عَنِ الْاَوْلِيَاءِ (اُردو میں اور فارسی میں۔ مطبوع)

۱۲۔ رسالہ وحدت الوجود (اردو۔ مطبوع)

۱۳۔ اَلنَّبقَاتُ مِنَ الطَّبَقَاتِ (عربی۔ غیر مطبوع)

۱۴۔ مقامات خیر، یہ آٹھ سو صفحے کی ضخیم تالیف ہے جس میں اوّلاً حضرت امام ربانی مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہٗ تک آپ کے آباءِ کرام، خلفاءِ عظام اور اولادِ امجاد کا بیان ہے اور آخراً حضرت شاہ صاحب مدّظلّہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ ابوالخیر فاروقی مجدّدی دہلوی قدّس اللہ سرّہٗ کے مبارک احوال اور آپ کے علم وفضل اور کمال اور ذوقِ سخن کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ کتاب اردو میں ہے اور دو مرتبہ چھپ چکی ہے۔

۱۵۔ "علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے ہمعصر علماء" یہی زیر نظر معرکۃ الآراء کتاب ہے، جس کی اجازت طبع حضرت شاہ صاحب مدّظلّہ نے اہل حیدر آباد کو دی ہے جس کے بارے میں چند کلمات اس تعارف کے آخر میں عرض کیے جائیں گے۔ [۱]

حضرت شاہ صاحب مدّظلّہ عمدہ ذوق سخن کے بھی مالک ہیں، عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں اور کلام میں آورد نہیں بلکہ آمد ہے، خود فرماتے ہیں۔

"عاجز کو نہ شاعری کا زیادہ شوق ہے اور نہ اُس کے نکات سے واقف ہے، نہ کسی کی شاگردی اختیار کی اور نہ کسی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔ آمد پر مدار ہے۔ اگر آمد ہوئی کچھ کہہ لیا ورنہ مہینوں ایک شعر بھی نظم نہیں ہوتا۔" [۲]

بہ طور نمونہ تینوں زبانوں کے چند چند اشعار پیش ہیں:

عربی کلام کا نمونہ

شملہ میں ایک شخص مرتد ہوگیا۔ اس واقعہ نے حضرت شاہ صاحب مدّظلّہ کے قلب مبارک پر اثر کیا اور یہ شعر زبان پر آگئے

مَالِهٰذَا تَرَكَ الْاِسْلَامَا　　بَعْدَ اَنْ بَانَ لَدَيْهِ فَضْلُهٗ
وَهَلِ الدِّيْنُ الْحَنِيْفُ يُتْرَكُ　　اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّ هٰذَا جَهْلُهٗ

---

[۱] حضرت شاہ صاحب کی دو قابل ذکر کتابیں اور بھی ہیں۔ ایک "مقامات اخیار" یعنی "سوانح حیات ابوالخیر" فارسی میں ہے اور ۱۳۹۵ھ میں چھپی ہے۔ دوسری "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" اردو میں ہے اور چھپ گئی ہے۔ جناب میرزا ہد علی کامل صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے اور اس کی طباعت کا انتظام لاہور میں ہو رہا ہے۔ ۱۲ ادارہ۔

[۲] مقامات خیر ص۶۶۳۔

مَا الإسلامُ وَاَدْیَانٌ اُخَرُ — هَلْ یُسَاوِیْ رَأْسَ ثَوْرٍ ذَیْلُهُ
رَضِیَ اللهُ بِهٖ دِیْنًا کَمَا — قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ وَهُوَ قَوْلُهُ
وَکَفٰی فَخْرًا بِاَنْ یَخْتَارَهُ — مَنْ لَهُ الْاَمْرُ وَلَا نِدَّ لَهُ

فارسی کلام کا نمونہ

حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے محقق فاضل جناب الیاس برنی رحمۃ اللہ کی کتاب "قادیانی مذہب" کا مطالعہ کیا۔ جس میں غلام احمد قادیانی کا یہ قول دیکھا (معاذ اللہ منہ)

انبیا گرچہ بودہ اند بسے — من بہ عرفاں نہ کمترم زکسے
آں چہ داد است ہر نبی را جام — داد آں جام را مرا بہ تمام
کم نیم زاں ہمہ بہ روے یقیں — ہر کہ گوید دروغ اہست لعیں

بے ساختہ حضرت کی زبان پر کئی شعر آگئے، جن میں سے چند یہ ہیں ؎

اے غلامِ قادیاں بشنو زمن — نیست در دنیا لعینے غیر تو
دشمنِ اسلام گشتی بے خرد — بہر کافر جاں دہی ہم آبرو
کافر و مرتد شدی از بہر زر — در بہ در گشتی برایش سُو بہ سُو
لَیْسَ بَعْدَ الْکُفْرِ ذَنْبٌ یَا غُلَام — اِنَّ ھٰذَا الْقَوْلَ حَقٌّ فَاسْمَعُوْا
دعوئے الہام کردی اوّلیں — باز آمد وحی لندن در جلو
مُلہمت ابلیس مُوحی شد فرنگ — پُر ز خمرش جام کردی ہم سبو
توتیائے چشم کردی خاکِ در — وز غلامی طوقِ لعنت در گلو
تا نہالِ کافراں در ملکِ ہند — بیخ گیرد، نشو یابد، ہم نمو

اسی طرح روانی میں مزید چند اشعار کہہ گئے ہیں اور اپنے منظوم رَد کو اس طرح ختم کیا ہے ؎

گر کسے انکار آرد گو بمیش — تا بہ کے چون و چرا دیں گفتگو
"قول[1] و فعل" و "قادیانی[2] مذہب" بخواں — تا بدانی شاہدانِ عدل دو
باز ہم انکار آرد گو بمیش — دور شو از من کہ ہستی زشت خو
مرتد و کافر شدی تَبَّتْ یَدَاكَ — لعنتِ حق دائما بر فرقِ تو

حضرتِ والا مدظلہ کے تایازاد بھائی حضرت شاہ مولانا محمد ابو سعید مجددی مدظلہ (سجادہ نشین خانقاہ معصومی، رامپور) نے رانی کھیت سے آپ کو ایک منظوم خط ارسال کیا جس کے دو سو تراسی ۲۸۳ شعر ہیں۔ اس خط کا نام "کوہ فکر" تجویز کیا۔ حضرت نے جیسے ہی یہ خط پڑھا آمد شروع ہو گئی اور چار دن میں تین سو چالیس شعر فارسی میں نظم ہو گئے۔ چوں کہ لفظ "قمر" کے اتنے ہی عدد ہیں، اس لئے حضرت نے

---

[1] و [2] مولانا الیاس برنی رحمۃ اللہ کی دو کتابوں کے نام ہیں۔

اس نظم کا یہ عنوان تجویز کیا "قمرے بر کوہِ فکر طلوع نمودہ" اس نظم کے ابتدائی چند شعر درج ذیل ہیں ؎

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد گویم مر خدائے پاک را — نعت خوانم سیدِ لولاک را
نامۂ رنگین و فاخر آمدہ — از بیانش وصف قاصر آمدہ
ز ابتدا تا انتہا نظم است گل — می نماید دستۂ خوش رنگ گل
مثل مروارید شعرش آبدار — دو صد و ہشتاد و سہ اندر شمار
ہر کہ خواند لطف اندوزد تمام — فجر[۱] آمد بس دلیل ایں کلام
از عدد تعداد آں معلوم شد — وز حروفش سہ لغت مفہوم شد
اکثرش آمد بہ حرفِ اردوی — کمترش اندر زبانِ پہلوی
چند شعرش در لسانِ تازی است — توسنِ فکرش نہے در بازی است
در حلاوت ہست احلیٰ از نبات — در لطافت خوش تر از آبِ حیات
در روانی خوب تر از آب جو — در معانی بس جمیل و بس نکو
چوں نہ باشد نظم شیریں لاجواب — ناظمش باشد مثیلِ آفتاب
پاک طینت، خوش منش، عالی گہر — از سلیلِ حضرتِ والا عمرؓ
جدِّ عاشر شیخ احمد قطب دین — اَلفِ ثانی را مجدّد بالیقین
جدِّ رابع ساخت دہلی را مقام — آں کہ نامش نام وے باشد تمام
از اب وجد کرد مولایش رشید — دے سعید و نام دارد بو سعید

بندہ نہ سخنور ہے نہ سخن شناس، لیکن حضرت شاہ صاحب مدظلہ کے کلام کی شگفتگی، حلاوت اور روانی دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ بلند پایہ شاعری کی خصوصیات موجود ہیں۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے "الامام الحافظ الحجۃ، مسند وقتہ، ابو حنیفۃ عصرہ و بخاری دہرہ[۲]"، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی مدنی قدس سرہٗ کی منقبت میں جو اشعار لکھے ہیں، ان میں سے کچھ اشعار درج کئے جاتے ہیں تاکہ وصف میں حضرت والا مدظلہ کے کلام کا نمونہ بھی ناظرین ملاحظہ فرمالیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

---

[۱] فجر کے (۲۸۳) عدد ہیں اس میں کوہِ فکر کے اشعار کی طرف اشارہ ہے کہ وہ (۲۸۳) ہیں اور فجر کے تین حرف ہیں اس میں تین زبانوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نظم تین زبانوں میں ہے جو کہ عربی فارسی اور اُردو ہیں۔

[۲] حضرت شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کے لئے یہ القاب مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث مدرسۂ مظاہر العلوم سہارنپور نے اوجز المسالک کے مقدمہ میں استعمال فرمائے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ مولانا زکریا صاحب کے حدیث میں دو واسطوں سے شیخ ہیں۔ آپ کی ولادت دلی میں ۱۲۳۵ھ میں ہوئی اور وفات ۱۲۹۶ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ مؤلف رسالہ الرنا الیجسن کے جد امجد حضرت شاہ محمد عمر رحمہ اللہ کے چچا اور آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ابوالخیر رحمہ اللہ کے استاذ ہیں۔

چہ گویم وصفِ شد عبدالغنی را امام و مُرشدِ دارِ نبی را
بہ خلوت خانۂ دل داشت قرآن بہ رقّتہا تلاوت کردے ہر آن
عنانِ ہمّتش بر تافت آں پاک علوم دین را بر خواند چالاک
حدیثِ مصطفیٰ را گشت شاغل بسے اسناد عالی کرد حاصل
ز خوردی بود منظورِ خدا رس خدا رس را نظر دارد اثر بس
بہ جدّ و سعی در اندک زمانہ بدید از لُطفِ مولیٰ بے کرانہ
اجازت یافت از مردانِ یکتا خلافت یافت از پیرانِ والا
در احکامِ شریعت مردِ کامل بہ اسرارِ طریقت فردِ کامل
زباں در ذکرِ حق ہر آن جاری دلش معمور از انوارِ باری
ہمہ تن پائے در راہِ رضا بود ہمہ تن گوش بر قولِ خدا بود
ہمہ تن لب برائے ذکرِ سبحاں ہمہ تن دیدہ بہرِ دیدِ جاناں
نہ گفتے، نے برفتے، نے شنیدے نہ دیدے گر رضائے حق نہ دیدے
بہ ظاہر پیکرش از خاک بودہ بہ باطن کل ز نورِ پاک بودہ
کجا ہند و کجا طیبہ بہ بینیدش سعادت یاور و اقبال در پیش
بہ کوہ و دشت و دریا جادہ پیمود بہ دارِ مصطفیٰ خوش دل بیاسود
زہے قسمت کہ کامل بست و یک سال سکونت کرد آں جا فارغ البال
گہے ذکر و گہے تدریسِ تنزیل گہے بحث از حدیث و جرح تعدیل
بہ ایں ساں عمر خود آں جا بسر کرد ہزاراں بے ہنر را با ہنر کرد
بہ آخر شد چو دورِ زندگانی ملک آورد[لہ] جامِ ارغوانی
بہ صد خواہش گرفت آں جامِ رنگیں نثارش کرد فوراً جانِ شیریں
شرابِ وصلِ جاناں را بنوشید بہ اقلیمِ بقا سُلطان گردید
مبارک باد وے را ایں سعادت مبارک باد وے را ایں کرامت
ایا باشد کہ بیند چشمِ دوراں چنیں اہل چنیں کامل خدا داں
ایا باشد کہ زاید مادرِ خاک چنیں حق گو چنیں حق بیں چنیں پاک
ایا باشد کہ در باغِ ہدایت گلے دیگر دمد با ایں لطافت

لہ ، محرم ۱۲۹۶ھ (۶۱) سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ شد اندر زمیں آفتابِ علوم ۔ مادۂ تاریخ ہے ۔ جنت البقیع میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جوار میں دفن ہوئے ۔ نَوَّرَ اللّٰہُ ضَرِیْحَہٗ وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِہٖ ۔

زباں گردد اگر ہر تار جسمم — کہ ایں وصف را احوال گویم
کمالات و فضائل بے شمارش — زسر تا پا ہمہ نورِ خدائش
سلام از ما رسد ہر دم بہ جانش — الٰہی از تو رحمت بر روانش
الٰہی آنچہ از احسان کردی — کرامتہا بہ وے ارزان کردی
ازاں فیضان یک جرعہ عطا کن — ازاں عرفان یک لمعہ عطا کن
نگاہے لطف کن دل شاد گردد
ولائے دوستانت زید دارد

حضرت شاہ صاحب مدظلّہ کو حضرتِ ممدوح قدس سرہٗ سے عقیدت کا یہ جذبہ وراثۃً ملا ہے اور آپ نے اپنے اس قصیدے میں جس کے اکتالیس ۴۱ اشعار ہیں اس کا بھرپور اظہار فرمایا ہے۔ اس قصیدے میں بے پناہ عقیدت کے ساتھ علوِّ خیال، زورِ بیان، جوش اور روانی بھی پائی جاتی ہے، الفاظ کے انتخاب میں بھی آپ نے اپنا کمال دکھایا ہے جس کی وجہ سے اسلوبِ بیان اور معانی میں وہ ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے جس نے شعر کو سحر بنا دیا ہے۔ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا۔

حضرتِ والا نے اپنی ایک کتاب میں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر قدس سرہٗ کا ذکر کرتے ہوئے یہ ۲ دو شعر لکھے ہیں ؎

اے بلا گردانِ تو جانم بود — وے فدایت جملہ سامانم بود
در حریم دل فرود آ یک نفس — فرشِ راحت ہر دو چشمانم بود

آپ نے اپنے جوشِ باطنی اور بے پناہ عقیدت کا اظہار خوب کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب مدظلّہ کے فارسی کلام کا کچھ حصہ "اشک ہائے غم ۱۳۷۷ھ" کے نام سے (۳۲) صفحات میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ کمترین نے حضرت شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کی منقبت کا کچھ حصہ اسی سے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ آپ نے فارسی میں "شجرہ شریفہ" سلسلہ نقشبندیہ کو بھی نظم کیا ہے جو آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

اردو کلام کا نمونہ

اردو میں "نظم شمائل" اور "لآلیِ منظومہ" بھی طبع ہو چکے ہیں۔ نظم شمائل کے اشعار "یا قدوس" کے عدد پر (۱۱۸) ہیں۔ اس میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوالخیر قدس سرہٗ کے احوالِ مبارکہ کو بھی نظم فرمایا ہے۔ بہ طور نمونہ کلام کا کچھ حصہ پیشِ ناظرین ہے ؎

سنو اب کچھ احوال اس پارسا کے — گیا نفسِ امّارہ کو جو سدھا کے
ہوئے بیخودی سے خودی جس نے کھوئی — کیا زندہ دل نوش دارو کھلا کے

ابھی تک ہے دل میں مزا اور گئے وہ — نئی چاشنی معرفت کی چٹا کے
کھڑا کر دیا لا کے راہِ ہُدیٰ پر — شریعت رَدی کی ریاضت کرا کے
محبّت سے گرویدہ اپنا بنایا — پڑھا کے، لکھا کے، سدھا کے، سکھا کے
اثر دل سے زائل کیا ماسوِیٰ کا — بس اللہ کا اک نقش رکھا لگا کے
کیا قلبِ عاجز کو خانہ خدا کا — پھر انوار سے اس کو رکھا سجا کے
ہُوا نورِ وحدت سے معمُور سینہ — گئے جو سبق معرفت کا پڑھا کے
نرالی اَلِف بَا کی تختی پڑھائی — کرشمے دکھلائے نئی کیمیا کے
توجّہ سے روشن کئے سب لطائف — مسِ دل کو کُندن بنایا گلا کے
بہت کچھ پڑھایا عنایات کر کے — بہت کچھ سکھایا دلوں کو لُبھا کے
ق بہت کچھ ہنسایا مگر ہائے قِسمت — گئے اپنی فرقت میں آخر رُلا کے
اندھیرا نہ کیونکر زمانے میں چھائے — گئے وہ ہدایت کی مشعل بُجھا کے
تصوّر میں ان کے مزاجانِ جاں کا — طریقوں سے اب کون واقف خفا کے
محبّت نے اُن کی اثر یہ دکھایا — رہی یاد مولیٰ کی دل میں سما کے
عزیز وہ کیا تھے بیان کیا کروں میں — خدا یاد آتا ہے وہ یاد آ کے
یہی اولیا کی نشانی ہے سُن لو — گئے ہیں ہمیں یہ جو ہم کو بتا کے
گدائی میں اُن کی سعادت تھی مخفی — فدا تھے سلاطین اُن کے گدا کے
ملی جس کو ان کی غلامی وہ شہ تھا — وہ پھر خواب کیوں دیکھے ظلِّ ہُما کے
درِ فیضِ انور کا وہ خاک ریزہ — دیئے کام جس نے ہزاروں دَوا کے
ق نہ سمجھو اُسے خاک اکسیر ہے وہ — ہے اکسیر قربان اس خاکِ پا کے
وہ کیسے سدھارے فدا اُن پہ جاں ہو — وہ تڑپا گئے دل کو اہلِ وَلا کے
کہاں سے ملے اب وہ صہبائے عرفاں — ہوا خاک جب میکدہ جل جلا کے
نہ اب دَورِ مے ہے، نہ مینا، نہ ساقی — نہ اب مست رندوں کے نعرے بُکا کے
نہ وہ رقصِ بسمل، نہ شورِ حریفاں — نہ شیریں کرشمے وہ ناز و ادا کے
نہ وہ نعرۂ ھُو کہ جس کے اثر سے — کُھلے راز سب عرش و تحت الثریٰ کے

گزرتا تھا اک دم وہ عرشِ بریں سے
درِ فیضِ اقدس کی کُنڈی ہلا کے

حضرت شاہ صاحب مدظلّہ، نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ابوالخیر قدس اللہ سرّہ کا بیان اپنے

اس قصیدہ میں کیسے نرالے انداز میں فرمایا ہے۔ چونکہ آپ کے اور ممدوح کے درمیان مادّی رشتے کے علاوہ روحانی اور جذباتی تعلق بھی ہے، اس لئے اس چیز نے قصیدہ میں تصنع، مبالغہ آرائی، بے جا جوش وخروش کی بجائے بے ساختگی، روانی، اور اصلیّت کے ساتھ گہری معنویت، ندرتِ خیال، شدّتِ جذبات اور عُلوِ فکر جیسے محاسن پیدا کر دیئے ہیں۔

کمترین کے ناقص خیال میں حضرت شاہ صاحب مدّظلّہ کی اُردو شاعری میں "لآلیِٔ مَنْظُوْمَہ" آپ کا شاہکار ہے۔ بہ طور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٰہی کہاں مُشتِ خاکِ ذلیل — کہاں بارگاہِ رفیع وجلیل
تری رحمتوں نے اٹھایا اُسے — اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃُ سُنایا اُسے
وسیلے نے پھر اس کو پرواز دی — کرے عرض تجھ سے وہ آواز دی
وسیلے نے پہنچایا اُس کو وہاں — مَلَک کی رسائی نہیں ہے جہاں
ترے دَر پہ آیا وہ عَبدِ ذَلُول — توسّل سے اپنے تو کرلے قبول
توسّل بہ اَسمآءِ حُسنیٰ تمام — توسّل بہ اوصافِ زیبا تمام
توسّل بہ اسمِ جلیل و عظیم — دُعاؤں کو سُن لے بہ لُطفِ عمیم

اِن تمہیدی ابیات کے بعد سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ، اَفَاضَ اللّٰہُ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِھَا کا بیان ہے اور اسی کے بعد مناجات کی ابتدا اس طرح کی ہے ؎

توسّل سے ان نیک بندوں کے سب — رہی جن کو ہر آن تیری طلب
کیا عشق نے جن کا سینہ فگار — ہوا وجد سے جن کا دل بے قرار
رہا ذکر میں جن کا ہر ہر رُواں — ہمہ وقت و ہر حال رَطبُ اللّسان
ہر اک ذرّہ کہتا تھا رَبِّ الْمَلِیْك — تری ذات ہے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْك
لگاتے تھے دل پر بہ صُنعِ عجیب — ترے اسمِ عالی کا نقشِ غریب
تَلَطُّف سے پھر رَہ پہ لاتے تھے وہ — توجہ سے منزل دکھاتے تھے وہ
لطائف میں ہوتا تھا پھر نور اثر — ہر اک اپنے مَوطن کو کرتا سفر
جہاں کو سکھایا یہی نیک کام — کیا خوب روشن ترا پاک نام
ترے برگزیدہ تھے وہ کردگار — ہے ان سے ہی وابستہ یہ شرمسار
نہیں گرچہ کوئی بھی حُسنِ عمل — ہے اُن سے تعلق، مدارِ اَمَل
انہیں کے توسّل سے یہ بے نوا — کریما اُٹھاتا ہے دستِ دُعا

دعا مانگتا ہے بہ عجز و نیاز — سبھی پر ترا بابِ رحمت ہے باز
سِوا تیرے در کے نہیں کوئی در — ترا لُطف سب پر ہے شام و سحر
تو ہے سب کا مولیٰ، تو ہے کارساز — ہر اک تیرا بندہ، تو بندہ نواز
غنی ہے تری ذات، سب ہیں فقیر — ترے در کا سائل صغیر و کبیر
شب و روز کرتا ہے سب پر عطا — مُراد اپنی پاتا ہے شاہ و گدا
کرم سے ترے پل رہا ہے جہاں — دُعا میری سن لے مرے مہرباں

اِس مناجات کے بعد کئی عنوانات ہیں۔ مثلاً "دُعا"، "احوالِ عظمیٰ"، "شفاعتِ کبریٰ"، "انبیاء اور اولیاء کی شفاعت"، "رحمۃ للعالمین"، "شکرِ الٰہی"، "مرشدِ کامل"، "پیر طریقت"۔ حضرت مولانا مدظلہ نے پیر طریقت کے تحت جن جذبات کو ظاہر فرمایا ہے وہ آپ کے کلام کا محور ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جذب و مستی کے عالم میں جو مضامین بیان کئے جاتے ہیں، وہ عموماً ولولہ خیز اور نشاط انگیز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کا یہ کلام جذبہ اور ذکرِ حق کا نہایت عمدہ اور اعلیٰ نمونہ بن گیا ہے۔ اور حضرت شاہ صاحب نے ثابت کر دیا کہ انسان کی فضیلت درحقیقت اُس سوزِ دروں کی بدولت ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ہے مُرشد کی اُلفت وہ راہِ وصول — پہنچتی ہے جو بارگاہِ رسولؐ
جو مرشد کی الفت میں کامل ہوا — وہ عشاقِ سرورؐ میں شامل ہوا
ہوا جو گرفتارِ عشقِ نبیؐ — وہ دوزخ سے بیشک ہوا ہے بری
جو نارِ محبت کا ہے سوختہ — نہ ہوگا وہ دوزخ کا اندوختہ
محبت سے جو سینہ افگار ہو — اُسے کس طرح خطرۂ نار ہو
قتیلِ وفا پر ہو رحمت مدام — بہشتِ بریں ہوگا اس کا مقام

اور آپ اپنے اِس گوہرِ آبدار (لآلیِ منظومہ) کو اس التجا پر ختم فرماتے ہیں:

الٰہی بزرگوں سے اُلفت رہے — ہر اک کو نبیؐ کی محبت رہے
فنا ر الفنا ہو الٰہی نصیب — مقامِ رضا ہو الٰہی نصیب
لطائف ہوں جاری ترے نام سے — ہر اک ذرّہ تن کا لگے کام سے
نہ ہرگز خلل ہو، نہ کوئی قصور — کسی حال میں بھی نہ آئے فتور
رہے زندگی بھر یہی مشغلہ — اِسی پر ہو یارب مرا خاتمہ
گنہ سے ہوا گرچہ میں خستہ حال — برابر یہ رہتا ہے دل کو خیال
نہ ڈر زیدؔ مرشد ہے خیرِ جہاں — نبیؐ تیرا شافع، خدا مہرباں

حضرت شاہ صاحب مدظلّہ کے کلام سے بہ خوبی واضح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی شاعری آپ کے قلب کی زبان، آپ کے جذباتِ عالیہ کی ترجمان اور آپ کے واردات کا بیان ہے۔ آورد، تصنع اور تکلّف کا آپ کے ہاں گزر نہیں۔ آپ کے قلب پر جو کچھ گزرتی ہے وہ بلا تکلّف زبانِ قلم پر آجاتی ہے اور ظاہر ہے کہ تاثیر اس طرزِ سخن کا لازمی نتیجہ ہے اور یہ خصوصیت آپ کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔



سطورِ بالا میں مصنّف ممدوح مدظلّہ العالی کی سوانح حیات اور حضرتِ والا کے افادات کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا گیا۔ اب ذیل میں رسالۂ زیرِ نظر کے سلسلہ میں کچھ گزارشات عرض کی جاتی ہیں۔
کمترین اگست ۱۹۷۳ء میں ایک سرکاری کام کے سلسلہ میں دہلی پہنچا تو حضرت شاہ صاحب مدظلّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت مدظلّہ نے بڑا ہی کرم فرمایا کہ اپنی تصانیف کا تذکرہ کیا، اُن میں اِس رسالہ کا بھی ذکر فرمایا۔ حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر کمترین نے عرض کیا کہ اگر رسالہ کی طباعت اہلِ حیدرآباد کے حصہ میں آئے تو ہم اس کو اپنی سعادت تصوّر کریں۔ حضرت مدظلّہٗ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس پر کمترین اپنی طرف سے اور اہلِ حیدرآباد کی طرف سے حضرت مدظلّہٗ کا شکرگزار ہے۔

گر میل کند یار ہلالی عجبے نیست　　　شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

مگر کمترین بے حد شرمندہ ہے کہ طباعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی اور اس میں کاتبوں کے روایتی تساہل کو بڑا دخل ہے۔ کمترین حضرت شاہ صاحب مدظلّہ اور شائقین حضرات سے معذرت خواہ ہے۔ ع

وَالعَفوُ عِندَ کِرَامِ النَّاسِ مَامُولٗ

چونکہ کمترین بہ وجہ تاخیر اس رسالہ کی افادیت میں مانع رہا اس لئے اللہ تعالیٰ سے بھی معافی کا خواستگار ہے اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتا ہے ؎

یارب دلم از بارِ گنہ محزون است　　　جاں زار و دل فگار و جگر پُر خون است
ہر چند گناہِ من ز حد بیرون است　　　عفوت ز گناہِ من بسے افزون است

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسان از آدم تا ایں دم اقتدار اور وجاہت کا حریص ہے، اپنی بڑائی چاہتا ہے، اگر موقع میسر آجائے تو اپنی خدائی کا اعلان کرنے سے بھی باک نہیں کرتا، مختصر یہ کہ وہ یکسر خواہشِ وجاہت و اقتدار ہے اور بس! پھر اپنا اقتدار اور اپنی وجاہت اور شہریاری چاہتا کس پر ہے؟ اپنی ہی جنس پر، اپنے ہی جیسے لوگوں پر۔ اسی لئے علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کو تعجب ہے کہ ع

انسان نوعِ انسان کا شکاری ہے

اس خواہشِ وجاہت و اقتدار سے کوئی مستثنیٰ نہیں، حاکم ہو کہ عالم، تاجر ہو کہ صناع، فقیہ ہو کہ محدث،

مفسر ہوکر متکلم ۔ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللہُ! یہ اور اس قسم کے سارے اخلاقی مفاسد و امراض کی جڑ قلب کی خرابی اور نفس کی بیماری ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی فلاح اور خسران کا مدار نفس کے تزکیہ کو قرار دیا ہے ۔ ارشاد باری ہے ۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۔ یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اِس نفس ، کو پاک کرلیا اور ناکام ہوگیا وہ شخص جس نے اس کو (برائیوں میں) دبا دیا۔

میرے مشفق استاذ مولانا عبدالباری ندوی مُدَّ فَیضُہٗ اپنی تالیف "تجدید تعلیم و تبلیغ" کے صفحہ ۶۵ پر فرماتے ہیں :

"بات یہ ہے کہ باطنی اخلاق کی اصلاح و درستی جس کا اصطلاحی نام فقر و درویشی یا تصوّف پڑگیا ہے ، یہ دراصل دین کی رُوح ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے قلبی و رُوحانی تعلق پیدا نہیں ہوتا اور دین بے جان یا نیم جان رہتا ہے ۔ لوگوں کو سُوکھے ساکھے دین میں خدا کی بُو نہیں محسوس . . . ہوتی ورنہ انسان کی عام فطرت تو یہ ہے کہ ؎

ہر کجا بوئے خدا می آید — خلق را بیں سر و پا می آید"

اور حضرت استاذ ممدوح فرمایا کرتے تھے کہ دین کی یہ رُوح کاملین کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے ، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سب سے اعلیٰ شرف اور سب سے بڑی فضیلت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت ہے ۔ حضرت استاذ ممدوح کتاب مذکور کے صفحہ (۳۱۰) پر فرماتے ہیں :

"راقم ہٰذا صحبت و صحابیت کے اس اسلامی و مثالی اصول تعلیم کی رُو سے سب کی خدمت میں عرض کیا کرتا ہے کہ جب تک کاغذی کتابوں کے ساتھ اور اُن سے زیادہ ایمان و عمل کی زندہ انسانی کتابوں کا انتظام نہ ہوگا اس وقت تک نہ انسانیت پیدا ہوسکتی ہے نہ دین ۔"

نہ کتابوں سے ، نہ کالج سے ، نہ زر سے پیدا — دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ اپنی کتاب "اَلْمُنْقِذُ مِنَ الضَّلَالِ" میں فرماتے ہیں :

اِنْكَشَفَ لِيْ فِيْ اَثْنَاءِ هٰذِهِ الْخَلَوَاتِ اُمُوْرٌ لَا يُمْكِنُ اِحْصَاؤُهَا وَالْقَدْرُ الَّذِيْ اَذْكُرُهٗ يُنْتَفَعُ بِهٖ ۔ اِنِّيْ عَلِمْتُ يَقِيْنًا اَنَّ الصُّوْفِيَّةَ هُمُ السَّالِكُوْنَ لِطَرِيْقِ اللّٰهِ ... خَاصَّةً وَاَنَّ سِيَرَتَهُمْ اَحْسَنُ السِّيَرِ وَطَرِيْقَهُمْ اَصْوَبُ الطَّرِيْقِ وَاَخْلَاقَهُمْ اَزْكَى الْاَخْلَاقِ . . . . فَاِنَّ جَمِيْعَ حَرَكَاتِهِمْ وَسَكَنَاتِهِمْ فِيْ ظَاهِرِهِمْ وَبَاطِنِهِمْ مُقْتَبَسَةٌ مِنْ مِشْكَاةِ النُّبُوَّةِ ، عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ نُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ ۔ فَمَاذَا يَقُوْلُ الْقَائِلُوْنَ فِيْ طَرِيْقٍ اَوَّلُ شَرَائِطِهٖ تَطْهِيْرُ الْقَلْبِ بِالْكُلِّيَّةِ عَمَّا سِوَى اللّٰهِ تَعَالٰى ، وَمِفْتَاحُهُ الْجَارِيْ فِيْهِ مَجْرَى التَّحْرِيْمِ مِنَ الصَّلٰوةِ اِسْتِغْرَاقُ الْقَلْبِ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ وَآخِرُهُ الْفَنَاءُ بِالْكُلِّيَّةِ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ۔"

"مجھ پر خلوتوں کے دوران ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جن کا احاطہ دشوار ہے۔ اُن میں سے صرف اُس حصّہ کا بیان کرتا ہوں جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ میں نے یقینی طور پر یہ بات جان لی ہے کہ صوفیہ ہی راہ حق کے خصوصی رہرو ہیں، انہی کا کردار سب سے اچھا کردار، اُن ہی کا راستہ سب راستوں سے سیدھا، اُن ہی کے اخلاق سب میں پاکیزہ اخلاق ہیں ..... کیوں کہ اُن کی تمام حرکات و سکنات، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ مشکاۃِ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور رُوئے زمین پر یہی ایسا نور ہے جس سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسے راستہ کے بارے میں کہنے والے کیا کہہ سکتے ہیں، جس کی شرائط میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ بہ تمام و کمال ماسوی اللہ سے دل کا پاک کرنا ہے۔ اور اس کی وہ کُنجی جو نماز کی تکبیر تحریمہ کی طرح اس میں اثر انداز ہے، اللہ تعالیٰ کی یاد میں قلب کا استغراق ہے۔ اور اس کا آخر یہ ہے کہ اللہ بزرگ و برتر میں بالکلیہ فنائیت ہو۔"

حضرت شاہ محمد معصوم نقشبندی مجددی مدنی ثم مکی قدس اللہ سرّہ اپنی کتاب "رِیاضُ الحِکَمِ فِی مَعَارِفِ الْقِدَمِ"[۱] کے دیباچہ میں علمِ تصوّف کی ضرورت اور اس کے استناد کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ جَوَابِ السَّائِلِ۔ مَا الْاِحْسَانُ۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ قُلْتُ ھٰذَا الْحَدِیْثُ[۲] اَصْلُ عِلْمِ التَّصَوُّفِ وَ اَسَاسُہٗ لِاَنَّ تَعَلُّمَ الْعِلْمِ ثُمَّ الْعَمَلَ بِہٖ فَرْضٌ عَلَی الْعِبَادِ۔ وَالْعَمَلُ لَا یَصِلُ اِلَی الْقُبُوْلِ مَالَمْ یَکُنِ الْعَامِلُ مُخْلِصًا فِیْہِ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ الآیۃ۔ وَالْاِحْسَانُ ھُوَ الْوُصُوْلُ اِلٰی دَرَجَۃِ الْاِخْلَاصِ وَلَا یَحْصُلُ الْاِخْلَاصُ اِلَّا بِالصَّفَآءِ وَالْمُتَصَوِّفُوْنَ ھُمُ الَّذِیْنَ یَجْتَھِدُوْنَ اجْتِھَادًا عَظِیْمًا لِحُصُوْلِ تَصْفِیَۃِ الْقَلْبِ وَتَزْکِیَۃِ النَّفْسِ وَ وَضَعُوْا لِذٰلِکَ قَوَاعِدَ وَاُصُوْلًا بِاَنْوَاعِ الْاَذْکَارِ وَالْاَشْغَالِ وَالْاَوْرَادِ ..... وَالْوَظَائِفِ وَالرِّیَاضَاتِ وَالْمُجَاھَدَاتِ وَالْمُرَاقَبَاتِ بِاَنْوَاعٍ مُّخْتَلِفَۃٍ۔ اھ"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھنے والے کے جواب میں کہ اِحسان کیا ہے۔ فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے ہو تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (حضرت شاہ محمد معصوم فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث شریف علم تصوف کی اصل اور اساس ہے۔ اس لئے علم حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا بندوں پر فرض ہے۔ اور عمل اس وقت تک قبول نہیں ہوتا جب تک عمل کرنے والا عمل میں مخلص نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (زمر آیت ۳) یاد رکھو۔ اللہ ہی کے لئے خالص عبادت ہے۔ الآیہ۔ اور احسان نام ہے مرتبۂ اخلاص تک پہنچنے کا۔ اور اخلاص بغیر صفا کے حاصل نہیں ہوتا۔ اور صوفیہ اسی جماعت کا نام ہے جو دل کی صفائی اور نفس کی پاکی کے لئے بڑی جد وجہد

---

[۱] حضرت مولانا شاہ ابوسعید مجددی معصومی رامپوری مدظلہ کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے کہ اس کتاب سے جو مخطوطہ کی صورت میں آپ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے استفادہ کا موقع عطا فرمایا۔ ۱۲۔

[۲] یہ حدیث بخاری اور مسلم کی مشہور حدیث ہے۔ اس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ محدثین کرام کے نزدیک حدیث جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت مصنف نے حدیث شریف کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

کرتی ہے۔ ان حضرات نے اس مقصد کے لئے قواعد اور اصول مقرر کئے ہیں جو مختلف اذکار، اشغال، اوراد، وظائف، ریاضتوں، مجاہدوں اور مراقبوں پر مشتمل ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے صاف بتا دیا کہ اصل زیان و خسران دنیا کی زندگی کا نہیں، آخرت کے دن کا ہے۔ اور اسی نے بتایا ہے کہ اس دن قلب کی صحت و سلامتی کے سوا مال و اولاد کوئی چیز بھی کام آنے والی نہ ہوگی۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلب ہی کے صلاح و فساد پر کس قوت و شدّت کے ساتھ متنبہ فرمایا کہ جس کے بناؤ بگاڑ پر سارا بناؤ بگاڑ موقوف منحصر ہے کہ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ آگاہ رہو کہ وہ قلب ہی ہے۔

سنن دارمی میں حسن بصری سے روایت ہے۔ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ۔ فَعِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَاکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ۔ وَعِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَاکَ حُجَّۃُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ عَلَی ابْنِ آدَمَ۔ یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قلب کا علم ہے اور یہی نفع بخش علم ہے۔ دوسرا زبان کا علم ہے اور یہی انسان پر اللہ کی حجّت ہے۔ اسی چیز کو مولانا رومی نے کیا خوب کہا ہے۔

علم را بر تن زنی مارے بود　　　علم را بر دل زنی یارے بود

استاذ مکرم، مربّی بے بدل، فقیہ العصر، حضرت مولانا ابو الوفا افغانی رحمہ اللہ الباری (سابق رئیس مجلس احیاء المعارف النعمانیہ، حیدر آباد) نے آیت مبارکہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ یعنی۔ جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم اُن کو ضرور اپنے (قرب و ثواب کے) راستے دکھائیں گے۔ اور بے شک ایسے محسنین کے ساتھ اللہ ہے۔" (یعنی اللہ اخلاص والوں کے ساتھ ہے) کی تفسیر اور بیان میں عجیب بات ارشاد فرمائی۔ کہ جہاد اصغر یعنی کافروں کے ساتھ جہاد کرنا۔ بغیر امیر کے درست نہیں۔ تو جہاد اکبر جو کہ نفس کے ساتھ جہاد ہے بغیر امیر کے کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اور اس جہاد کا امیر شیخ کامل ہے۔ مرشد کامل ہی کی ہدایات و نگرانی میں تصفیہ قلب حاصل ہوتا ہے۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ کا ایک سرسری مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے، جن مصلحینِ اُمّت کا بیڑا افراط و تفریط کے بھنور سے نکل کر پار لگا ہے۔ یہ وہی حضرات تھے جنہوں نے اپنی اصلاحِ باطن کے لئے شیخ کامل کو ڈھونڈھ لیا اور خود کو ان کے حوالہ کر دیا اور ان حضرات کرام قدس اللہ اسرارہم سے رشد و ہدایت کا سلسلہ آج تک جاری ہے، اس کے برخلاف جن حضرات نے اصلاح باطن کو غیر ضروری جانا اور "فقر و درویشی یا تصوف" سے اپنا رشتہ قائم نہ کیا وہ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر بھی لغزشوں سے دُور نہ رہ سکے اور بعد میں آنے والی نسلوں نے ان کی ایسی چیزوں کو لے کر بے ادبی، گستاخی اور گمراہی کے دروازے کھول دیئے، جن کی زبان و قلم سے اولیاء اللہ تو کجا انبیاء علیہم السلام بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ یہی حال علامہ ابن تیمیہ اور ان کے امثال کا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی ایک رائے علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں ہے۔ بندہ اسی کو بیان کر کے

آگے بڑھتا ہے۔

"مقالات احسانی" کے صفحہ ۳۳۹ و ۳۴۰ میں فرماتے ہیں۔ "شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے امام غزالی کی بعض... کتابوں میں شکایت کی ہے کہ فلسفہ کے جال سے بھاگنے کی گو اس شخص نے پوری کوشش کی لیکن فلسفہ کی آنتوں میں پھر بھی ٹانگیں اُلجھ کر رہ گئیں۔ شیخ الاسلام بڑے آدمی ہیں۔ اُن کی علمی و دینی عظمت کا خیال سامنے آجاتا ہے ورنہ میرا احساس تو یہ ہے کہ کچھ یہی کیفیت خود شیخ الاسلام ہی کی معلوم ہوتی ہے کہ غیر شعوری طور پر ان کے دماغ کو علت و معلول کے قانون نے زنجیروں میں جکڑ دیا تھا" لہ

علامہ ابن تیمیہ پر مخدومنا حضرت شاہ ابوالحسن مدظلہ نے جو رسالہ لکھا ہے، بندہ اس کے بارے میں اپنی رائے کیا عرض کرے۔ حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رحمہ اللہ نے اس رسالۂ انیقہ کو بالاستیعاب لفظاً لفظاً مطالعہ فرمایا۔ بے حد پسند کیا اور یوں فرمایا۔

"حضرت ابوالحسن نے قلب کی روشنی میں یہ کتاب لکھی ہے اور قلم کو توڑ دیا ہے، کوئی دوسرا اتنے سُلجھے ہوئے انداز میں نہیں لکھ سکتا۔"

زندگی نے وفا نہیں کی ورنہ اس رسالہ پر ایک اچھا مضمون بہ طور تبصرہ لکھنا طے فرمایا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے (۹۸) مسائل میں علماء امت سے اختلاف کیا ہے اور ان میں (۳۹) مسائل ایسے ہیں جن میں انھوں نے مسلک جمہور سے ہٹ کر اجماع اُمّت کو چھوڑا ہے۔ اس کی تفصیل رسالۂ ہذا کے صفحہ ۱۰۱ پر ملاحظہ کی جائے۔ یہاں بندہ صرف زیارتِ قبور کے مسئلہ پر ہندوستان کے متاخرین علماء اور اہل اللہ کی آراء کو نقل کرکے اپنا مضمون ختم کرتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ سے پہلے بعض افراد نے عامۃ المسلمین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز اور حرام قرار دیا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان لوگوں کے قول کو لے کر تصریح کردی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر کے لئے سفر کرنا جب کہ نیت صرف زیارتِ مبارکہ کی ہو حرام ہے۔ اس کی تردید حضرت مولانا شاہ ابوالحسن مدظلہ نے صفحہ ۱۰۱ سے شروع کرکے آخر رسالہ تک قوی دلائل کے ساتھ کی ہے۔ جن میں علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ قسطلانی، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ کی آراء مذکور ہیں۔ یہاں صرف حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اور مولانا زکریا مدظلہ کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ قارئین کرام واقف ہو جائیں کہ علامہ ابن تیمیہ نے کیسی زبردست لغزش کھائی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔

آخر عمر میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ وصیت نامہ ترتیب دینے لگے تو جہاں اور باتیں لکھی ہیں وہاں اس وصیت نامہ میں شدت کے ساتھ اصرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مارا لابُد است کہ بہ حرمین محترمین رویم و روئے خود را برآں آستانہا بمالیم"

(ہم مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہے کہ حرمین محترمین جایا کریں اور اپنے چہروں کو اُن آستانوں پر ملا کریں)۔

لہ پورا مضمون رسالہ ہذا کے صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۲

اور آخیر میں دوٹوک قطعی فیصلہ کی صورت میں ارقام فرماتے ہیں۔

"سعادت ما این است وشقاوت ما در اعراض ایں۔"

(ہماری سعادت اور خوش نصیبی اسی میں ہے اور ہماری بدبختی اور شقاوت اِس مسلک سے رُوگردانی اور اِعراض میں ہے)۔

خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو۔

"درآں میاں بروضہ منورہ حضرت سیّد البشر عَلَیہِ اَفضَلُ الصَّلَوٰاتِ وَاَتَمُّ التَّحِیَّاتِ متوجہ شدو فیضہا یافت" (انفاس العارفین)۔

(اس عرصہ میں حضرت سیّد البشر عَلَیہِ اَفضَلُ الصَّلَوٰاتِ وَاَتَمُّ التَّحِیَّاتِ کے روضہ منورہ کی طرف متوجہ ہوکر بڑے بڑے فیض حاصل کئے)۔

ان ہی "فیضہا" کی شرح وتفصیل میں شاہ صاحب قدس سرہ نے ایک مستقل کتاب "فیوض الحرمین" ارقام فرمائی ہے۔ شاہ صاحب کے ساتھ کیا کیا نوازشیں ہوئیں۔ اُن کی تفصیل اس کتاب میں پڑھنی چاہئے۔ اور اسی کتاب فیوض الحرمین میں اپنے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

"سَلَکَنِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَرَبَّانِی بِیَدِہٖ فَانَا اُوَیسِیُّہٗ وَلَیسَ اَحَدٌ بَینِی وَبَینَہٗ"

(مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود سلوک کا راستہ طے کرایا اور اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی۔ اس لئے میں آپ کا اویسی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلاواسطہ شاگرد ہوں)۔

شاہ صاحب کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب ہی میں دربار رسالت پناہی سے داڑھی مبارک کے دو بال عطا ہوئے تھے، شاہ ولی اللہ عَلَیہِ الرَّحمَۃُ کا بیان ہے کہ حالت بیداری میں یہ دونوں موئے مبارک ان کے والد کو ملے جو ایک مدت تک خود ان ہی کے پاس رہے اور جب تبرکات تقسیم ہونے لگے تو۔ "یکے ازاں دو موئے مبارک بہ کاتب حروف عنایت فرمودند (انفاس ص۴۱) (ان دو موئے مبارک میں سے ایک موئے مبارک کاتب حروف کو عنایت فرمایا۔)

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف کی ایک خصوصیت ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ "بعد مراقبہ ہرچہ بہ کشف می رسید می نگاشتند" (ملفوظات ص۴۰) (مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی اسے ارقام فرماتے)۔

یہ ہے مرتبہ اہل اللہ کے پاس روضۂ منورہ اور صاحب روضہ منورہ عَلَیہِ آلَافُ التَّحِیَّۃِ کا۔

گر نہ بیند بہ روز شب پرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اب حضرت مولانا شاہ ذکریا مدظلہ کا قول حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کے

بارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

"وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَالْمَجِيْءُ إِلَيْهِ بَعْدَ وَفَاتِهٖ كَالْمَجِيْءِ إِلَيْهِ قَبْلَهُ وَقَالَ تَعَالٰى وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ فَكَمَا الْهِجْرَةُ إِلَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ حَيَاتِهٖ الْوُصُوْلُ إِلٰى حَضْرَتِهٖ كَذٰلِكَ الْوُصُوْلُ بَعْدَ مَوْتِهٖ" (اَوْجَزُ الْمَسَالِكْ ج ا ص ۳۶۴)

(ترجمہ) "جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات کے بعد (اپنی قبر اطہر میں) زندہ ہیں، تو آپ کی خدمت اقدس میں وفات کے بعد حاضر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ قبل وفات حاضری دی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے"، تو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں آپ کی خدمت میں ہجرت کی جاتی تھی۔ اسی طرح آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی خدمت میں ہجرت کرنے کا وہی حکم ہوگا جو قبل وفات تھا۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور مولانا زکریا مدظلہ کے مذکورہ فرمودات کے بعد علامہ ابن تیمیہ کی لغزش کی قباحت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے سارے مسائل میں علامہ ابن تیمیہ کا یہی حال ہے چنانچہ ناظرین کو اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد علامہ ابن تیمیہ کے حقیقی مقام کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔

الحمد للہ اس بات کا پورا اطمینان ہے کہ اس موضوع پر یہ ایک اچھی، مستند، معلومات افزا اور فیصلہ کن کتاب ہے، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی بار ظاہر ہو رہی ہے اور اس طرح وہ خلا پُر ہو رہا ہے جس کا احساس ایک عرصہ سے کیا جا رہا تھا۔

یہ کتاب ان سب حضرات کے لئے ایک صحیح رہبر کا کام دے گی جن میں انصاف کا مادہ، صداقت کی جستجو اور اخلاقی جرأت پائی جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہ نے اپنے اس رسالہ کو جس دعا پر ختم کیا ہے یہ عاجز بھی اسی دعا پر ختم کرتا ہے اور کہتا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا، رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اے ہمارے پروردگار، بخش ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں پہنچے۔ اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر اُن لوگوں کا جو ایمان لائے، اے ہمارے پروردگار تو ہی نرمی والا نہایت مہربان ہے۔ اور سلام ہے سب رسولوں پر، اور سب خوبی اللہ کو جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔

۲۱ شوال ۱۳۹۵ھ

محمد عبد السّتار خاں نقشبندی قادری

۲۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتکریماً پر اہلِ نجد کا تصرف ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) میں ہوا اور اس کے بعد سے علامہ حافظ احمد تقی الدین ابن تیمیہ حنبلی حرانی ثم دمشقی رحمہ اللہ کے متعلق بہ کثرت مضامین چھپنے شروع ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے علمائے اخیار اور صلحائے اُمت اُن کے ذکر سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ حضرت سیدی الوالد شاہ محی الدین عبد اللہ ابوالخیر فاروقی مجددی دہلوی قدس سرہٗ، ابن تیمیہ، ابن حزم ومن شاکلھما کا ذکر نہ کرتے تھے اور نہ اُن کی تالیفات سے لگاؤ رکھتے تھے۔ آپ کے مشفق ومہربان اُستاد اور آپ کے جدِ امجد کے چھوٹے بھائی، محدثِ دارالہجرۃ حضرت شاہ عبد الغنی قدس سرہٗ سے سید احمد حسن عرشی قنوجی برادر سید صدیق حسن خاں نے حدیث شریف پڑھی حضرت نے ان کو سند لکھ کر دی۔ اس میں تحریر فرمایا ہے۔

"اَلْوَاجِبُ عَلَیْہِ اَنْ یَّسْلُکَ بِسِیْرَۃِ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ مِنَ الصُّوْفِیَّۃِ وَالْفُقَھَاءِ الْقَادَۃِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ الْمُسْتَقِیْمِیْنَ عَلَی الْجَادَّۃِ لَا کَابْنِ حَزْمٍ وَّابْنِ تَیْمِیَّۃَ"۔

"سید احمد حسن عرشی پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کے طریقے پر چلیں جو کہ صوفیہ صافیہ اور فقہائے قادہ اور منہج صواب پر ثابت قدم محدثین کا مسلک ہے نہ امثال ابن حزم اور ابن تیمیہ"۔

اور میں نے یہ بات بھی ملاحظہ کی کہ اب اِس دَور کے اصحابِ قلم، علامہ ابن تیمیہ کے محامد وفضائل کے بیان کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی سعی میں مصروف ہیں۔ ہر ایک یہ کوشش کر رہا ہے کہ اُن کے مسلک کو تمام مسالک سے افضل واعلیٰ قرار دے۔ صلحائے اُمت کا وہ طریقہ اور اِس دَور کے اربابِ قلم کی یہ روش دیکھ کر خیال آیا کہ حقیقتِ امر کو معلوم کرنا چاہیئے۔ پہلے متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ

کیا جائے اور پھر اس دَور کی تحریرات پڑھی جائیں اور جو حقیقت ظاہر ہو اس کا بیان کردیا جائے چنانچہ میں نے متقدمین کی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ کیا :

۱۔ رسالہ الرد علی ابن تیمیۃ فی خبر الجھۃ[لہ] از علامہ شہاب الدین ابن جہبل کلابی متوفی ۷۳۳ھ

۲۔ رسالۂ زغل العلم والطلب اور رسالہ النصیحۃ الذھبیہ از علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ

۳۔ مرآۃ الجنان از امام یافعی متوفعی متوفی ۷۶۸ھ

۴۔ شیخ شرف الدین محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن بطوطہ متوفی ۷۷۹ھ کا سفرنامہ۔

۵۔ تاریخ البدایہ والنہایہ از علامہ حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ

۶۔ الدرر الکامنہ از علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

۷۔ رسالہ "اَلرَّدُّ الوافر عَلٰی من زَعَم اَنّ من سَمّی ابن تیمیۃ شیخَ الاسلامِ کافِر"

از علامہ شمس الدین محمد ابن ناصر الدین شافعی متوفی ۸۴۲ھ

۸۔ القول الجلی فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ الحنبلی از علامہ صفی الدین حنفی بخاری

۹۔ الکواکب الدّرّیّۃ فِی مَنَاقِبِ الاِمَامِ ابن تَیْمِیَّۃ از علامہ شیخ مرعی حنبلی متوفی ۱۰۳۳ھ

۱۰۔ شذرات الذہب از علامہ ابن عماد حنبلی متوفی ۱۰۸۹ھ

اور دَورِ حاضر کی درج ذیل کتابیں مطالعہ کیں :

۱۔ ابن تیمیہ از استاذ ابوزہرہ مصری۔

۲۔ حیات ابن تیمیہ از استاذ محمد بہجت بیطار دمشقی۔

۳۔ حاشیۂ استاذ عبدالصمد شرف الدین بر مجموعۂ تفسیر۔

۴۔ ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی از محمد مہدی استانبولی۔

۵۔ تذکرہ از مولانا ابوالکلام آزاد۔

۶۔ مقالاتِ احسانی از مولانا مناظر احسن گیلانی۔

۷۔ دعوت وعزیمت دفتر دوم از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

۸۔ امام ابن تیمیہ از مولوی (ڈاکٹر) محمد یوسف کوکن۔

۹۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ از مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہوری۔

بھوجیانی صاحب نے اگرچہ اپنی کتاب کو استاذ ابوزہرہ کی کتاب کا ترجمہ ظاہر کیا ہے لیکن جو تصرفات اور تبدیلیاں اور اضافے کئے گئے ہیں اُن کے پیشِ نظر یہ مستقل کتاب ہے۔

لہ اِس رسالہ کو علامہ عبدالوہاب تاج الدین سبکی شافعی متوفی ۷۷۱ھ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ کی ج ۵ میں ص۱۸۱ سے ص۲۱۲ تک نقل کیا ہے۔ آپ نے ابن جہبل کی جگہ ابن جبریل لکھا ہے لیکن دُرَرِ کامنہ، شذرات ذہب وغیرہ میں ابن جہبل ہے۔

ردِّ وافر، قولِ جلی اور کواکبِ دُرِّیہ کو فرج اللہ زکی کردی نے نو رسالوں کے مجموعہ میں ۱۳۲۹ھ میں چھپوایا ہے۔ ان تین رسالوں میں ابن تیمیہ کے فضائل کا بیان ہے اور اس میں کلام نہیں کہ ابن تیمیہ میں فضائل اور کمالات تھے اور اُن کے فضائل و کمالات کو بغیر کسی نقد اور تبصرہ کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب علامہ ابن تیمیہ اپنے شذوذات میں حد سے تجاوز کر گئے اور انھوں نے حضرت محبوبِ رب العالمین سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و وسیلتنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز قرار دیدیا تو قاضی تقی الدین محمد بن ابی بکر اخنائی مالکی کی سرکردگی میں اٹھارہ علماءِ کرام نے اس قول کی وجہ سے ابن تیمیہ کو کافر اور واجب القتل قرار دیا۔ پھر تقریباً ایک سو سال بعد ۸۳۵ھ میں اشاعرہ اور حنابلہ میں اختلاف ہوا اور شیخ علاء الدین بخاری نے کہا۔ جو شخص ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہے وہ کافر ہے۔

قاضی اخنائی مالکی اور علامہ علاء الدین بخاری کے تشدد کو جلیل القدر علماء نے پسند نہیں کیا۔ اور اس سلسلہ میں علامہ حافظ شمس الدین ابن ناصر الدین شافعی نے رسالہ ردِّ وافر لکھا۔ انھوں نے چھیاسی ۸۶ علماء کے ان اقوال کو جمع کیا جو انھوں نے ابن تیمیہ کی تعریف میں کہے تھے۔ اور پھر انھوں نے حنفی، مالکی اور شافعی علماء سے اس رسالہ پر تقریظیں لکھوائیں۔ سب سے پہلی تقریظ علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی ہے اور پانچویں علامہ عینی حنفی شارح بخاری کی۔ ان علماءِ کرام نے متشددین کے مسلک کی تردید کی اور لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ علماءِ اسلام میں سے ایک جلیل القدر فرد تھے۔ نہ وہ کافر تھے اور نہ ان کو.... شیخ الاسلام کہنے والا کافر ہے۔

اِس رسالہ میں علامہ ابن تیمیہ کے شذوذات سے بحث نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان اکابر نے ابن تیمیہ کے شذوذات کو صحیح تسلیم کر لیا ہے، یا ائمہ مجتہدین ابو حنیفہ، مالک، شافعی سے ان کا مرتبہ اعلیٰ قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے اپنی تالیفات میں علامہ ابن تیمیہ کا علمی طور پر رد لکھا ہے اور ان کی غلطی کا بیان کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرح فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ترپن (۵۳) میں حقیقتِ امر کو واضح کر دیا ہے۔ انھوں نے پہلے تفصیل سے حقیقت بیان کی ہے اور پھر کلام کا خلاصہ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وَالْحَاصِلُ اَنَّهُمْ اَلْزَمُوْا بِتَحْرِيْمِ شَدِّ الرَّحْلِ اِلٰى زِيَارَةِ قَبْرِ سَيِّدِنَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْكَرْنَا صُوْرَةَ ذٰلِكَ وَفِىْ شَرْحِ ذٰلِكَ مِنَ الطَّرَفَيْنِ طُوْلٌ وَهِيَ مِنْ اَبْشَعِ الْمَسَائِلِ الْمَنْقُوْلَةِ عَنِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ"

"خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان لوگوں نے ابن تیمیہ کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام ہے۔ اس حکم کو لازم کیا ہے (تکفیر کا حکم) او

ہم نے اس کی صورت ناپسند کی ہے۔ طرفین کے اقوال کا بیان کرنا باعثِ طوالت ہے۔ ابن تیمیہ سے نقل کئے ہوئے البشع مسائل میں سے یہ مسئلہ ہے"۔

منتہی الأرب میں اَلْبَشِعْ کا ترجمہ "طعامِ بدمزہ، حلق سوز و کسے کہ چنیں طعام خوردہ و آں کہ از دہنش بوئے بد آید از ناکردن خلال و مسواک" لکھا ہے۔ یعنی بدبودار، بدمزہ، حلق میں جلن پیدا کرنے والا۔

رسالہ قول جلی اور کواکب دُرّیہ بھی اسی مقصد سے لکھے گئے ہیں۔ البتہ قول جلی کے مصنف علامہ صفی الدین بخاری نے ابن تیمیہ کے بعض مسائل کا ذکر کیا ہے۔ زیارتِ قبور کا ذکر کر کے لکھا ہے:

"هو مخطى فی ذالك اشد الخطأ"[1] یعنی ابن تیمیہ نے اس میں غلطی کی ہے سخت غلطی۔

میں نہ ابن تیمیہ کا متبع ہوں اور نہ اُن کا مخالف۔ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اُمّت مرحومہ "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" ہے۔ "تم ہو بہتر سب اُمّتوں سے جو پیدا ہوئے ہیں لوگوں میں"۔ اور سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ آخِرُہٗ"۔ "میری اُمّت کی مثال مینہ کی ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مینہ کا پہلا حصہ خیر و برکت لئے ہوئے ہے یا پچھلا حصہ"۔

اس اُمّتِ مرحومہ میں قیامت تک علماء ظاہر اور باطن میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں گے کہ آپ ہی اپنی نظیر ہوں گے ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است

امام الائمہ سراج الامہ حضرت ابو حنیفہ کی جلالتِ قدر کا دل و جان سے معترف اور اُن ہی کا مقلد ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ ائمہ مجتہدین کا وجود اس اُمّت کے واسطے سراسر خیر و برکت ہے۔ ان حضرات نے یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا[2] (آسان کرو، دشوار نہ بناؤ) پر عمل کر کے اُمّت کے لئے سہولت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ حضرت امام شافعی نے "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُعَذِّبُ عَلٰی قَوْلٍ اِخْتَلَفَ فِیْهِ الْعُلَمَاءُ" فرما کر اس کا بیان کر دیا ہے کہ "پروردگار ہر اس قول پر گرفت نہیں کرے گا جس میں علماء نے اختلاف کیا ہو"، کیونکہ ائمہ دین نے قرآن و حدیث ہی سے مسائل اخذ کئے ہیں۔ جو جس کی سمجھ میں آیا ہے اُسی کا اظہار اُس نے کیا ہے۔ اُن کے اقوال یقیناً حجج شرعیہ اور مستوجبِ نجات ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے جن مسائل میں جمہور کے مسلک کو چھوڑا ہے یا چاروں اماموں سے ہٹ کر راہ اختیار کی ہے، اُن سے بیزار اور مسئلہ زیارتِ قبور میں اُن کے مسلک سے متنفر ہوں ؎

رنگیں ہوا ہے اُس گُلِ خوش رنگ سے مجھے — اگلا جو برگِ زرد کوئی اس چمن میں ہے

---

[1] مجموعہ رسائل کے صفحہ ۱۱۹ کو ملاحظہ کریں۔
[2] بخاری مسلم کی حدیث ہے۔

سیوطی کی کتاب "جامع صغیر" میں مسلم اور ابوداؤد کی روایت ہے۔ "اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ" لوگوں کو اُن کے مراتب پر رکھو۔ اعلیٰ کو ادنیٰ اور ادنیٰ کو اعلیٰ بنانے کی کوشش نہ کرو۔

میں نے فوق الذکر انیس ۱۹ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جو حقیقت مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اس کا بیان اس رسالہ میں کرتا ہوں۔ اِس رسالہ کا نام "مَاذَا قَالَ الْاَئِمَّه فِیْ اِبْنِ تَیْمِیَه" ہے یعنی علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے ہمعصر علماء۔ اور مَاذَا قَالَ الْاَئِمَّةُ یَا زَیْدُ ۴۴۲ + ۱۳۱ + ۴۸۲ + ۳۲ = ۱۳۸۷ھ سے سالِ تالیف ظاہر ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ۔

ابوالحسن زید فاروقی
درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر۔ شاہ ابوالخیر مارگ
دہلی۔۶

سہ شنبہ۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ
۲۹ راگست ۱۹۶۷ء

علّامہ تقی الدّین احمد ابن تیمیّہ

ولادت : دوشنبہ ۱۰ ربیع الاوّل ۶۶۱ھ حرّان میں[1] (۲۹ جنوری ۱۲۶۳ء)
وفات : شب دوشنبہ ۲۰ ذی القعدہ ۷۲۸ھ دمشق میں[2] (۴ اکتوبر ۱۳۲۸ء)

اُس وقت کی حالت

علامہ ابن تیمیہ کی ولادت حرّان میں ہوئی۔ وہ زمانہ مسلمانوں کے واسطے نہایت پُرآشوب اور صبر آزما تھا۔ شیخ نجم الدین رازی نے ۶۲۰ھ میں کتاب "مرصاد العباد" لکھی ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی حصہ میں تاتاریوں کی بربریت اور درندگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ازیک شہرے کہ مولد و منشا ایں ضعیف است قیاس کردہ اند کہ کما بیش ہفت صد ہزار آدمی بہ قتل آمدہ است و اسیر گشتہ، از شہر و ولایت، و فتنہ و فساد آں ملاعین و مخاذیل بر جملگی اسلام و اسلامیاں ازآن زیادت است کہ در حیز عبارت گنجد۔"[3]

صرف ایک شہر کا جو کہ اس ضعیف کی جائے ولادت اور مقام نشو و نما ہے، سات لاکھ افراد کے قتل اور گرفتار ہونے کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ ان لعنت مارے مطرودین بارگاہِ خداوندی نے جو کچھ اسلام پر اور تمام اسلامیوں پر کیا ہے وہ اس سے بہت ہے کہ قلمبند کیا جاسکے۔

چند سطروں کے بعد آپ نے کیا پُردرد یہ دو شعر تحریر فرمائے ہیں ؎

شاہان جہاں بہ جملگی بشتابید | تا بو کہ بقیتے ز دیں دریابید
اسلام ز دست رفت بس بے خبرید | بگرفت جہاں کفر و شما درخوابید

"اے بادشاہانِ عالم (اسلام) تم سب جلد پہنچو، ہوسکتا ہے کہ تم دین کا بقیہ پالو۔ اسلام ہاتھ سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۳۶ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۱۳۶ [3] مرصاد العباد قلمی نسخہ ص ۹

نکلا جا رہا ہے اور تم پر بے خبری چھائی ہوئی ہے۔ کفر نے دنیا پر قبضہ جما لیا ہے اور تم غفلت کی نیند سو رہے ہو۔

علامہ ابن تیمیہ کی ولادت سے پانچ سال پہلے ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے دار السلام بغداد پر قبضہ کر کے عباسی خلیفہ ابو احمد عبد اللہ المُستعصِم باللہ اور اُن کی اولاد کو قتل کیا۔ بغداد شہر میں مسلسل چالیس دن تک قتلِ عام ہوتا رہا۔ علامہ ابو الفضل کمال الدین عبد الرزاق فوطی اس وقت کے مشہور مورخ گزرے ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "الحوادث الجامعہ" میں تفصیل سے واقعات کا بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں[1] شہر بغداد میں آٹھ لاکھ افراد قتل ہوئے۔ اور جو لوگ کنوؤں، تالابوں اور دریا میں ڈوب کر، یا مکانوں، تہہ خانوں میں بند ہو کر بھوک پیاس سے مرے ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ "البدایہ والنہایہ" میں تین اقوال لکھے ہیں[2] آٹھ لاکھ، اٹھارہ لاکھ، بیس لاکھ۔ اور علامہ ابن العماد نے "شذرات الذھب" میں اٹھارہ لاکھ کی تعداد بتائی ہے[3]

ایک طرف یہ آفت برپا تھی اور دوسری طرف یورپ کے عیسائیوں نے مصر، شام اور فلسطین پر یلغار کر رکھی تھی، اُن کی سرکوبی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی کو پیدا کیا۔

سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کے واسطے یہ زمانہ جتنا پست اور پُرخطر تھا، علمی اعتبار سے اتنا ہی عمدہ اور اعلیٰ تھا۔ اس کا اندازہ سراج الدین ابو حفص عمر حِمصی کے اس قصیدہ بائیہ سے ہوتا ہے جو انھوں نے علامہ ابن تیمیہ کی مدح میں لکھا ہے۔ اس قصیدہ کا اکیسواں شعر یہ ہے

وَکَانَ فِیْ عَصْرِہٖ بِالشَّامِ یَوْمَئِذٍ سَبْعُوْنَ مُجْتَھِدًا اَمِنْ کُلِّ مُنْتَخَبٍ

یعنی ابن تیمیہ کے زمانے میں صرف ملک شام میں ستّر منتخب مجتہد تھے۔

علم کے اس بے مثل زرّیں دَور میں علامہ ابن تیمیہ کی ولادت ہوئی ہے۔

تربیت اور تحصیلِ علم

علامہ ابن تیمیہ چھ سال کے تھے کہ تاتاریوں نے حرّان پر قبضہ کر لیا۔ آپ کے والد بزرگوار علامہ ابو المحاسن شہاب الدین عبد الحلیم ابن تیمیہ اہل وعیال کو لے کر دمشق آ گئے۔ چونکہ صاحبِ علم وفضل وکمال تھے۔ دار الحدیث سکریہ میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ان کا مذہب حنبلی تھا اور آبا واجداد سے علم وفضل وکمال وراثۃً پایا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے والدِ بزرگوار اور اکابر علمار سے علومِ دینیہ کو خوب تحقیق سے پڑھا۔ حدیث شریف کو خاص اہتمام سے حاصل کیا۔ امام احمد کی مسند کئی مرتبہ پڑھی اور کافی اجزار حدیث شریف کے اپنے ہاتھ سے لکھے۔ نحو میں امام سیبویہ کی کتاب اور علمِ کلام اور فلسفہ کو مطالعہ کر کے سمجھا۔ حافظہ نہایت قوی تھا جو حفظ کیا پھر اس کو نہ بھولے۔

مناظرہ اور مناقشہ کا شوق خورد سالی سے تھا جب ذرا بڑے ہوئے علمار پر گرفت کرنے لگے اور پھر

---

[1] ملاحظہ کریں ص ۳۳۱ [2] ملاحظہ کریں ج ۱۳ ص ۲۰۲ [3] ملاحظہ کریں ج ۵ ص ۲۷۱

گزرے ہوئے اکابر علماء پر سختی سے ردّو نکیر کرنے لگے۔ چونکہ ان کا گھرانا علم وکمال کا گھرانا تھا اس لئے کتابوں کا نفیس ذخیرہ اُن کے ہاتھ لگا اور اس سے اُن کو بڑی مدد ملی۔ ابھی بیس سال کے نہ ہوئے تھے کہ فتویٰ دینے لگے۔ اور جب اُن کے والدِ بزرگوار کی وفات ہوئی وہ اُن کی جگہ مدرّس ہوئے۔ اس وقت اُن کی عمر اکیس[۲۱] سال تھی۔

فضائل اور اوصاف

ردّوافر، قولِ جلی اور کواکب درّیہ میں علامہ ابن تیمیہ کے فضائل اور اوصاف حسنہ کا بیان نہایت تفصیل سے خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اُردو میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "تذکرہ" میں اور مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی نے "دعوت وعزیمت" کے دوسرے حصّہ میں خوب ہی بیان کیا ہے۔ اِنَّمَا یَعْرِفُ الْفَضْلَ ذَوُوْہُ۔ فضل وکمال کو اصحابِ فضل وکمال ہی جانتے ہیں۔

چونکہ عربی کے یہ رسالے ایک خاص مقصد سے لکھے گئے تھے۔ اِس لئے اس کا خیال ہو سکتا ہے کہ محاسن وفضائل کے بیان کرنے میں کہیں تجاوز عن الحد نہ ہو گیا ہو۔ باوجود اس کے یہ بات متحقق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اوصافِ حسنہ سے متصف کیا تھا۔ جیسے حافظہ، علم، تقویٰ، خشیت، ورع، زہد، قناعت، صبر، جرأت، اتباعِ سنّت، اجتناب از بدعت، اِعلائے کلمۂ حق اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنا، اللہ کی رضامندی کے لئے حق کا اظہار کرنا، دنیا سے رُوگردانی وغیرہ۔ کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ علماءِ اعلام جنھوں نے علامہ ابن تیمیہ سے مسائل میں اختلاف کیا ہے اور ان کے رَد میں رسالے لکھے ہیں وہ ان اوصافِ عالیہ کا صدق دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ سبکی کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں۔

علامہ سُبکی

قاضی القضاۃ علامہ تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سُبکی شافعی نے مسئلہ زیارتِ قبور اور مسئلہ طلاق میں دو رسالے لکھے ہیں۔ دونوں رسالے علم وتحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ علامہ سبکی نے علامہ ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السُّنّۃ" کا مطالعہ کیا، جو کہ حسین بن مطہر شیعی کی کتاب "مِنْہَاجُ الْکَرَامَہ فِیْ مَعْرِفَۃِ النَّدَامَہ" کے رد میں لکھی گئی ہے۔ اگرچہ علامہ ابن تیمیہ نے بہت اچھی کتاب لکھی ہے لیکن بعض جگہ احادیثِ ثابتہ سے انکار کر گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ سبکی نے ایک قصیدہ لکھا ہے اور علامہ ابن تیمیہ پر گرفت کی ہے۔ انھوں نے کہا ہے ؎

اِبْنُ الْمُطَهَّرِ لَمْ تَطْهُرْ خَلَائِقُهٗ　　دَاعٍ اِلَی الرَّفْضِ غَالٍ فِیْ تَعَصُّبِهٖ

وَلِابْنِ تَیْمِیَّةَ رَدٌّ عَلَیْهِ لَهٗ　　اَجَادَ فِی الرَّدِّ وَاسْتِیْفَاءِ اَضْرُبِهٖ

یعنی غالی رافضی ابن المطہر کی کتاب کا رد ابن تیمیہ نے خوب ہی کیا ہے۔ ہر شے کو اُسی کے ڈھب پر رد کیا ہے۔ یعنی ابن مطہر نے اگر احادیثِ ثابتہ سے انکار کیا ہے تو ابن تیمیہ نے بھی یہی صورت

اختیار کرلی ہے اور وہ بھی احادیثِ ثابتہ سے انکار کر گئے ہیں۔

علامہ ذہبی اگرچہ علامہ ابن تیمیہ سے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف رکھتے تھے لیکن شور وشر اور ہنگامہ آرائی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے ابن تیمیہ کے سلسلہ میں سبکی کو خط لکھا۔ سبکی نے اُن کو جواب تحریر کیا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

علامہ سبکی کی تحریر

وَاَمَّا قَوْلُ سَيِّدِي فِي الشَّيْخِ تَقِيِّ الدِّيْنِ فَالْمَمْلُوْكُ يَتَحَقَّقُ كِبَرَ قَدْرِهٖ وَذَخَارَةَ بَحْرِهٖ وَتَوَسُّعَهٗ فِي الْعُلُوْمِ النَّقْلِيَّةِ وَالْعَقْلِيَّةِ وَفَرْطَ ذَكَائِهٖ وَاجْتِهَادِهٖ وَبُلُوْغَهٗ فِي كُلِّ ذٰلِكَ الْمَبْلَغَ الَّذِي يَتَجَاوَزُ الْوَصْفَ وَالْمَمْلُوْكُ يَقُوْلُ ذٰلِكَ دَائِمًا وَقَدْرُهٗ فِي نَفْسِي اَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَاَجَلُّ مَعَ مَا جَمَعَهُ اللّٰهُ لَهٗ مِنَ الزَّهَادَةِ وَالْوَرَعِ وَالدِّيَانَةِ وَنُصْرَةِ الْحَقِّ وَالْقِيَامِ فِيْهِ لَا لِغَرَضٍ سِوَاهُ وَجَرْيِهٖ عَلٰى سُنَنِ السَّلَفِ وَاَخْذِهٖ مِنْ ذٰلِكَ بِالْمَاْخَذِ الْاَوْفٰى وَغَرَابَةِ مِثْلِهٖ فِي هٰذَا الزَّمَانِ بَلْ مِنْ اَزْمَانٍ۔[۵۱]

ترجمہ:- میرے آقا (علامہ ذہبی) نے شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) کے متعلق جو کچھ لکھا ہے تو یہ بندہ اُن کی قدر کی بڑائی ان کے تبحر کی بے پایانی اور علومِ نقلیہ اور عقلیہ میں اُن کی وسعت اور اُن کی ذکاوت کی فراوانی اور ان کی کوششوں کا بلکہ ان تمام اوصاف میں ان کی رسائی کا اس حد تک قائل ہے کہ حدِ بیان سے خارج ہے، بندہ اس کا بیان ہمیشہ کرتا رہتا ہے اور بندہ کے دل میں اُن کی قدر اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اور پھر جبکہ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو مزید خوبیاں عنایت کردی ہیں۔ جیسے زہد، ورع، دیانت، حق کی تائید اور حق کے لئے اس پر قائم رہنا اور حق کے سوا کوئی غرض نہ رکھنی اور سلف کے طریقہ کو پوری طرح اپنانا اور اس پر قائم رہنا۔ ایسے شخص کا مثل نہ صرف اس زمانے میں بلکہ زمانوں سے ناپید ہے۔

علامہ تقی الدین سبکی نے انصاف کا پورا حق ادا کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کے اوصافِ حسنہ کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایسے شخص کا مثل نہ صرف اس زمانے میں بلکہ زمانوں سے ناپید ہے اور اس اعتراف کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ کی لغزشوں کا بھی علمی رد کیا ہے۔ علامہ سبکی کا یہ عمل استکمالِ ایمان[۵۲] کی دلیل ہے، علمائے کرام پر واجب ہے کہ غلط روی پر آگاہ کریں۔ جو بات جس کے نزدیک حق ہے وہ اس کا اظہار کرے۔

علامہ ذہبی

اس سنہرے دور کے ایک فردِ کامل علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد الذہبی ہیں۔ علامہ ابن العماد نے "شذرات الذہب"[۵۳] میں اُن کی تریسٹھ کتابوں کے نام لکھ کر یہ تحریر کیا ہے کہ باقی تالیفات کا ذکر ان کی کثرت کی وجہ سے نہیں کیا۔ علامہ ذہبی کے مدائح کو علمائے کرام نے اپنی کتابوں

---

۵۱ الدرر الکامنہ، جلد اوّل، صفحہ ۱۵۹۔
۵۲ مشکوٰت کی کتاب الایمان میں ہے۔ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ۔ جس نے محبت، نفرت، دینا اور روکنا صرف اللہ ہی کیلئے رکھا اس نے ایمان کامل کیا۔ ۵۳ ملاحظہ کریں ج ۶ صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶۔

میں جمع کیا ہے، الرد الوافر، القول الجلی، الکواکب الدریہ، اور علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الدرر الکامنہ میں بہت کچھ ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ علامہ ذہبی کی مدح و ستائش میں ان پر وارفتگی کا عالم طاری ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور مشہور مقولہ "لیلی را بہ چشم مجنوں باید دید" کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ باوجود اس سب کچھ کے ذہبی نے علامہ ابن تیمیہ کے خصوصی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ میں بھی ان کی تقلید نہیں کی ہے۔

علامہ ذہبی کو حدیث شریف سے پورا لگاؤ تھا۔ انھوں نے علامہ ابن تیمیہ سے ان کی بعض تالیفات اور مسند امام احمد کی اجازت حاصل کی ہے اور بہ لحاظ اخذِ سند کے ابن تیمیہ کا ذکر معجم شیوخ میں کیا ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے ابن تیمیہ کے بعض تذکرہ نگاروں نے ذہبی کو ابن تیمیہ کے شاگردوں میں لکھا ہے۔ اور یہ درست نہیں ہے۔ علماء حدیث میں ایسے افراد گزرے ہیں کہ انھوں نے کسی حدیث شریف کی روایت اپنے شاگرد سے کی ہے یا کسی سندِ عالی کی اجازت لی ہے اور یہ صورت بھی پیش آئی ہے کہ باوجود اجازت حاصل ہونے کے کسی نیک و صالح شخص سے پھر اجازت حاصل کر لی جاتی ہے۔ ایسے افراد مجیز و مجاز کہلاتے ہیں، نہ استاد و شاگرد۔

علامہ ذہبی کی تحریر

مولانا آزاد نے لکھا ہے۔ [۱]

"خود حافظ ذہبی اپنے معجم شیوخ میں جب اس نادرۃ الارض واعجوبۃ الدہر کے اوصاف و مدائح لکھتے لکھتے تھک گئے اور وہ ختم نہ ہوئے تو بالآخر یہ کہہ کر خاموش ہو جانا پڑا۔ وَهُوَ اَكْبَرُ مِنْ اَنْ يُنَبِّهَ عَلٰى سِيْرَتِهٖ مِثْلِي وَوَاللّٰهِ لَوْ حَلَفْتُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ اِنِّيْ مَا رَاَيْتُ بِعَيْنِيْ مِثْلَهٗ وَاِنَّهٗ مَا رَاٰى مِثْلَ نَفْسِهٖ لَمَا حَنِثْتُ" ان کا مقام اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ مجھ جیسا شخص اُن کی سیرت و فضیلت بیان کرے، قسم خدا کی اگر میں خانۂ کعبہ میں عین رکن و مقام کے درمیان کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ نہ تو میری آنکھوں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ خود انھوں نے اپنا ہمتا، تو میری قسم سچی ہوگی اور میرے لئے کفارۂ یمین نہیں۔ وَكَفَاكَ بِالذَّهَبِيِّ شَاهِدًا (کافی ہے تم کو ذہبی کی گواہی)"۔

اور لکھا ہے [۲] "یہی حافظ ذہبی ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں۔ وَهُوَ عَجِيْبٌ فِي اسْتِحْضَارِ السُّنَّةِ وَاسْتِخْرَاجِ الْحُجَجِ مِنْهَا بِحَيْثُ يَصْدُقُ عَلَيْهِ اَنْ يُّقَالَ، كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَعْرِفُهٗ اِبْنُ تَيْمِيَّةَ فَلَيْسَ بِحَدِيْثٍ وَلٰكِنَّ الْاِحَاطَةَ لِلّٰهِ تَعَالٰى۔ یعنی علوم سنّت کے استحضار اور اُن سے دلائل و براہین کے استنباط میں ان کا رسوخ و احاطہ عجیب و غریب ہے یہاں تک کہ ان پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔" لیکن احاطہ تو اللہ ہی کے لئے ہے۔

مَا رَاَيْتُ مِثْلَهٗ

علامہ ابن تیمیہ کے فضائل بیان کرتے وقت اس وقت کے علماء کرام نے جملہ "مَا رَاَيْتُ مِثْلَهٗ وَلَا رَاٰى هُوَ مِثْلَ نَفْسِهٖ" کا استعمال بہ کثرت کیا ہے، کہ نہ میں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ انھوں نے اپنا مثل۔ اس کیفیت کو دیکھ کر مولانا آزاد کافی متاثر ہوئے ہیں حالانکہ

---

[۱] ملاحظہ کریں تذکرہ، صفحہ ۱۶۱ و ۱۶۲۔

علماء کرام میں یہ جملہ ضرب مثل کی نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ اس کی ابتدا کب سے ہوئی، یہ تو معلوم نہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ صدہا سال قبل سے یہ جملہ مروج ہے۔ شیخ ورقاء اور سفیان ثوری ہمعصر تھے، دونوں کی وفات ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ ابن عماد نے شیخ ورقاء کا یہ قول نقل کیا ہے[1]۔ لَمْ یَرَ الثَّوْرِیُّ مِثْلَ نَفْسِہٖ۔ ثوری نے اپنا مثل نہیں دیکھا۔ اور ابن کثیر نے ابو ثور کا یہ قول لکھا ہے[2]۔ مَا رَأَیْنَا مِثْلَ الشَّافِعِیِّ وَلَا ھُوَ رَأٰی مِثْلَ نَفْسِہٖ، نہ ہم نے شافعی کا مثل دیکھا اور نہ انھوں نے اپنا مثل۔ اور ابن رجاء کا یہ قول لکھا ہے[3]۔ مَا رَأَیْتُ مِثْلَ اَحْمَدَ وَلَا رَأَیْتُ مَنْ رَأٰی مِثْلَہٗ۔ نہ میں نے احمد کا مثل دیکھا اور نہ کسی ایسے شخص کو دیکھا جس نے ان کا مثل دیکھا ہو۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کے متعلق ان کے استاد علی مدینی کا یہ قول نقل کیا ہے[4]۔ اِنَّہٗ مَا رَأٰی مِثْلَ نَفْسِہٖ۔ یقیناً انھوں نے اپنے نفس کا مثل نہیں دیکھا۔

ممکن ہے ابتدائے امر میں اس جملہ کا استعمال بہ اعتبار معنی کے صحیح ہوا ہو لیکن بعد میں مدحیہ جملہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس قسم کے جملات کے استعمال میں علامہ ذہبی بہت پیش پیش اور فراخ دل ہیں۔ انھوں نے اگر ابن تیمیہ کے متعلق اس جملہ کو استعمال کیا ہے تو حافظ مزی کے متعلق بھی لکھا ہے۔ مَا رَأَیْتُ مِثْلَہٗ وَلَا رَأٰی مِثْلَ نَفْسِہٖ۔ نہ میں نے ان کا مثل دیکھا اور نہ انھوں نے اپنے نفس کا مثل۔ علامہ ابن تیمیہ کا دور علمی لحاظ سے بلند پایہ تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک عالم تھا۔ ان کے لئے ایسے جملہ کا استعمال کوئی بڑی بات نہ تھی۔

حافظ زملکانی

یہ اُس دور ذہبی کے مایۂ ناز فرد تھے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے[5]۔ علامہ ابن تیمیہ کی عمر جبکہ تیس سال کے لگ بھگ تھی، حافظ زملکانی نے اُن کی تعریف میں لکھا ہے:

اِجْتَمَعَتْ فِیْہِ شُرُوْطُ الْاِجْتِہَادِ عَلٰی وَجْہِہَا وَاِنَّ لَہُ الْیَدُ الطُّوْلٰی فِیْ حُسْنِ التَّصْنِیْفِ وَجُوْدَۃِ الْعِبَارَۃِ وَالتَّرْتِیْبِ وَالتَّقْسِیْمِ وَالتَّدَیُّنِ۔"

وَکَتَبَ عَلٰی تَصْنِیْفٍ لَہٗ ھٰذِہِ الْاَبْیَاتِ ؎

مَاذَا یَقُوْلُ الْوَاصِفُوْنَ لَہٗ ۔۔۔ وَصِفَاتُہٗ جَلَّتْ عَنِ الْحَصْرِ
ھُوَ حُجَّۃٌ لِلّٰہِ قَاھِرَۃٌ ۔۔۔ ھُوَ بَیْنَنَا اُعْجُوْبَۃُ الدَّھْرِ
ھُوَ آیَۃٌ فِی الْخَلْقِ ظَاھِرَۃٌ ۔۔۔ اَنْوَارُھَا اَرْبَتْ عَلَی الْفَجْرِ

(ترجمہ) ابن تیمیہ میں اجتہاد کی شرطیں صحیح طور پر جمع ہو گئی ہیں۔ اُن کو حُسنِ تالیف عبارت کی

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۵۰
[2] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۲۵۳
[3] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۳۳۶
[4] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۵
[5] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۴ ص ۱۳۷

خوبی اور ترتیب و تقسیم اور دینداری میں کامل دستگاہ حاصل ہے۔

اور زملکانی نے اپنی کسی تصنیف پر یہ (تین) شعر لکھے ہیں

۱۔ تعریف کرنے والے اُن کی کیا تعریف کرینگے جبکہ اُن کے اوصاف زائد از شمار ہیں۔

۲۔ وہ اللہ کی غالب آنے والی حجت اور ہم میں ایک عجوبۂ روزگار ہیں۔

۳۔ وہ خلائق میں ایسی کھلی نشانی ہیں کہ ان کا نور فجر کے نور کی طرح واضح ہے۔

علامہ ابوحیان

علامہ ابن تیمیہ کی وفات سے اٹھائیس سال پہلے جب کہ اُن کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔ علامہ ابو حیان نے اُن کو دیکھ کر جملۂ متداولہ بین العلماء کا استعمال کیا اور کہا۔ مَارَأَتْ عَيْنَايَ مِثْلَ هٰذَا الرَّجُلِ۔ میری آنکھوں نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا ہے اور پھر یہ چھ شعر کہے ؎

لَمَّا اَتَانَا تَقِيُّ الدِّيْنِ لَاحَ لَنَا	دَاعٍ اِلَى اللّٰهِ فَرْدٌ مَالَهٗ وَزَرُ
عَلٰى مُحَيَّاهُ مِنْ سِيْمَا الْاُولٰى صَحِبُوْا	خَيْرَ الْبَرِيَّةِ نُوْرٌ دُوْنَهُ الْقَمَرُ
حِبْرٌ تَسَرْبَلَ مِنْهُ دَهْرُهٗ حِبَرًا	بَحْرٌ تَقَاذَفَ مِنْ اَمْوَاجِهِ الدُّرَرُ
قَامَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِيْ نَصْرِ شِرْعَتِنَا	مَقَامَ سَيِّدِ تَيْمٍ اِذْ عَصَتْ مُضَرُ
وَاَظْهَرَ الْحَقَّ اِذْ آثَارُهٗ اِنْدَرَسَتْ	وَاَخْمَدَ الشَّرَّ اِذْ طَالَهٗ شَرَرُ
كُنَّا نُحَدِّثُ عَنْ حِبْرٍ يَجِيْءُ فَهَا	اَنْتَ الْاِمَامُ الَّذِيْ قَدْ كَانَ يُنْتَظَرُ

ترجمہ: ۱۔ جب ہمارے پاس تقی الدین (ابن تیمیہ) آئے، ہم سمجھ گئے کہ وہ اللہ کی طرف بلانے والا ایک فرد ہے اور اس کا کوئی نظیر نہیں۔

۲۔ اس کے چہرے پر اُن لوگوں کا سا نور ہے جو خیر البریہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ اس نور کے سامنے چاند کا نور کمتر ہے (ماند ہے)۔

۳۔ وہ ایسے حبر (بہت بڑے عالم) ہیں کہ زمانے نے ان کو اپنا جامہ بنا لیا ہے اور وہ ایسے سمندر ہیں کہ جس کی موجوں سے موتی بکھرتے ہیں۔

۴۔ ہماری شریعت کی مدد کے واسطے، سید تیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس موقف پر کھڑے ہوئے ہیں، جبکہ مضر نے نافرمانی کی تھی۔

۵۔ انھوں نے اس وقت حق کا اظہار کیا جب کہ حق کے آثار مٹ چکے تھے اور شر کو اُس وقت ٹھنڈا کیا جب کہ اُس کے شرارے پھیل گئے تھے۔

۶۔ ہم کسی حبر (بہت بڑے عالم) کی آمد کا ذکر کیا کرتے تھے۔ لو وہ امام جس کا انتظار کیا جا رہا تھا، تم ہی ہو۔

آخر شکایت کیوں

رسالہ ردِ وافر میں چھیاسی جلیل القدر علماء کی مدح و ستائش منقول ہے اور پھر تو عالی مرتبت افراد کی تقریظیں ہیں۔ کسی نے ابن تیمیہ کو حدیث شریف میں حاکم کا مرتبہ دیا ہے، کسی نے اُن کے واسطے اجتہاد کا مرتبہ تجویز کیا ہے، کسی نے ان کو امام منتظر تسلیم کیا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ ان کے اوصاف زائد از حدِ شمار ہیں۔

علمائے اعلام نے صدق دل سے ابن تیمیہ کی یہ تعریف اس وقت کی ہے کہ ان کی عمر چالیس سال کی نہ ہوئی تھی اور خود مدح کرنے والوں کی عمر بھی چالیس سے کم تھی یعنی مادحین اور ممدوح کا دورِ شباب تھا۔ اور یہی دور خود نمائی، خود ستائی اور "ہمچو من دیگرے نیست" کا ہوا کرتا ہے۔ اب جب یہ دور تمام ہوا اور ابن تیمیہ نے دورِ کہولت کی منزلیں طے کیں اور پھر شیخوخت میں داخل ہو گئے۔ اُن کے مدّاح اور معاون اُن سے برگشتہ ہونے لگے۔

کوثری کا بیان

اس سلسلہ میں فاضل محقق، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ علامہ محمد زاہد بن الحسن کوثری نے رسالہ "زَغَلُ العِلْمِ وَالطَّلَبْ" میں لکھا ہے[۱]

"وَالْوَاقِعُ اَنَّ عِدَّةً مِنَ الْعُلَمَاءِ كَانُوْا اَسْرَعُوْا فِیْ اِطْرَاءِ ابْنِ تَیْمِیَةَ وَتَحَزَّبُوْا لَهٗ فِیْ بَادِیِ الْاَمْرِ، ثُمَّ صَعُبَ عَلَیْهِمُ التَّرَاجُعُ عَنْ قَوْلِهِمْ فِیْهِ اِلٰی اَنْ تَوَغَّلَ فِیْ مُفْرَدَاتِهِ الْمَعْرُوْفَةِ، فَتَخَلَّوْا عَنْهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ حَتّٰی الْجَلَالِ الْقَزْوِیْنِیِّ وَالْقَوْنَوِیِّ وَالْحَرِیْرِیِّ وَغَیْرِهِمْ، وَعِیْلَ اصْطِبَارُهُمْ مَعَهٗ بَلْ اِنْحَرَفَ الذَّهَبِیُّ اَیْضًا بَعْضَ انْحِرَافٍ بَعْدَ اَنْ سَعٰی مُدَّةً لِتَخْفِیْفِ وَطْأَتِ اَضْدَادِهٖ نَحْوَهٗ وَانْتِشَالِهٖ مِمَّا تَوَرَّطَ فِیْهِ سَعْیًا بَالِغًا مِمَّا لَا یَخْفٰی عَلٰی مَنْ دَرَسَ حَیَاتَهٗ، عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ"

(ترجمہ) "یہ امر واقع ہے کہ ابن تیمیہ کی تعریف کرنے اور ان کے طرفدار بننے میں علماء کی ایک جماعت نے عجلت سے کام لیا اور پھر اُن کے لئے پلٹنا مشکل ہو گیا۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ اپنے تفردات میں بڑھتے چلے گئے جو کہ معروف ہیں۔ لہٰذا علماء بھی یکے بعد دیگرے اُن سے کٹنے لگے، یہاں تک کہ جلال قزوینی اور قونوی اور حریری وغیرہم کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور ذہبی تک اُن سے کچھ منحرف ہو گئے جب کہ وہ ایک مدت تک مخالفوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف رہے اور پوری کوشش کی کہ ابن تیمیہ کو اس ورطہ سے نکال لیں۔ جس نے بھی اُن کی حیات کا دقّت سے مطالعہ کیا ہے اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ جو کچھ گزر چکا ہے اس کو اللہ عفو فرمائے"۔

علامہ کوثری نے قاضی القضاۃ جلال الدین محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی شافعی متوفی ۷۳۹ھ، علامہ علاء الدین علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی الشافعی متوفی ۷۲۹ھ اور سیف الدین ابوبکر

---

[۱] ملاحظہ کریں اس رسالہ کے صفحہ ۲۴۲ کے حاشیہ ۱ کی سطر ۲ اور اس کے بعد کو۔

بن عبداللہ الحریری متوفی ۷۴۷ھ کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے علامہ قونوی کے احوال میں لکھا ہے۔ [1]

كَانَ يُعَظِّمُ الشَّيْخَ تَقِيَّ الدِّيْنِ ابْنَ تَيْمِيَةَ وَيَذُبُّ عَنْهُ مَعَ مُخَالِفَتِهِ لَهُ فِي أَشْيَاءَ وَتَخْطِئَتِهِ لَهُ وَيُقَالُ أَنَّ النَّاصِرَ قَالَ لَهُ إِذَا وَصَلْتَ دِمَشْقَ قُلْ لِلنَّائِبِ يُفْرِجُ عَنِ ابْنِ تَيْمِيَةَ فَقَالَ يَا خوند لِأَيِّ مَعْنًى سُجِنَ قَالَ لِأَجْلِ الْفَتَاوِيْ، قَالَ فَإِنْ كَانَ رَجَعَ عَنْهَا أَفْرَجْنَا عَنْهُ فَيُقَالُ كَانَ هٰذَا الْجَوَابُ سَبَبًا فِي إِسْتِمْرَارِ الشَّيْخِ ابْنِ تَيْمِيَةَ فِي السِّجْنِ إِلَى أَنْ مَاتَ، الخ۔

(ترجمہ) "علامہ قونوی شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کی تعظیم اور اُن کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے باوجودیکہ مسائل میں اُن سے اختلاف تھا اور ان کو برخطا جانتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ بادشاہ الناصر نے اُن کو قاضی بنایا اور کہا۔ جب تم دمشق پہنچو، نائب سے کہہ دو کہ ابن تیمیہ کو رہا کر دیں۔ قونوی نے دریافت کرتے ہوئے کہا۔ جنابِ من وہ کس بنا پر قید ہوئے ہیں؟ بادشاہ نے کہا، فتاوی کی بنا پر۔ قونوی نے کہا۔ اگر انھوں نے فتاویٰ سے رجوع کر لیا ہے، ہم اُن کو رہا کر دیں گے (ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں)۔ قونوی کا یہ جواب ابن تیمیہ کی قید کے استمرار کی وجہ ہوئی"۔

تذکرہ نگاروں کی روش

علامہ ابن تیمیہ کے تذکرہ نگار اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ کے ہر فعل کو مستحسن اور اُن کے تفرّدات کو عینِ صواب قرار دیں۔ اور تمام مخالف علماء کو کم علم، شخصیت پرست ٹھیرا دیں۔ یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان ہی علماءِ اعلام کی مدح وستائش نے ابن تیمیہ کی قدر و منزلت میں چار چاند لگائے ہیں۔ سالہا سال یہ حضرات صدق دل سے ابن تیمیہ کے مداح و معاون رہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے علماءِ اعلام کے اختلاف کی علت "معاصرت" قرار دی ہے [2]
بے شک معاصرت ایک بَلائے بے درمان ہے۔ اور اس سلسلہ میں علماءِ کرام نے ٹھیک لکھا ہے۔ جیسا کہ مولانا آزاد نے نقل کیا ہے کہ "لَوْ فَتَحْنَا هٰذَا الْبَابَ وَاَخَذْنَا بِقَوْلِ الْمُعَاصِرِيْنَ بَعْضِهِمْ فِيْ بَعْضٍ لَمَا سَلِمَ لَنَا اَحَدٌ مِنَ الْاَئِمَّةِ بَلْ اَجَلُّ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ۔" اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں اور معاصرین کے اقوال کو، ایک کا قول دوسرے کے بارے میں، تسلیم کریں تو ہمارے لئے ائمہ میں سے بلکہ جلیل القدر صحابہ اور تابعین میں سے کوئی محفوظ نہ رہے"۔ (سب داغدار ہو جائیں)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جن علماء نے ابن تیمیہ سے اختلاف کیا ہے، کیا داءِ معاصرت کی بنا پر کیا ہے یا دیگر اسباب کی بنا پر، اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ یہ اسباب قابلِ مؤاخذہ ہیں یا نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے ہم عصر علماء نے صدق دل سے ان کی عزت اور ایسے والہانہ

---

[1] الدرالکامنہ ج ۳ صفحہ ۲۶ و ۲۷۔ [2] ملاحظہ کریں "تذکرہ" کے ص ۱۶۶ کو۔

انداز سے ان کی مدح و ستائش کی ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود مولانا آزاد نے علامہ ذہبی کی وارفتگی اور عقیدت کا بیان نہایت مؤثر پیرایہ سے کیا ہے۔ ایسے عقیدت مند پاک دل افراد کا برگشتہ ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں، علماءِ کرام کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ کسی کے ساتھ پیش نہیں آیا ہے کہ دورِ شباب میں حمد و ستائش کی انتہا ہوئی ہو اور دورِ کہولت و شیخوخت میں نفرت واقع ہوئی ہو۔ اگر نفرت کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا، گنجائش تھی کہ دارِ معاصرت کے شکنجہ میں اس کو کس دیا جاتا لیکن یہاں تو سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے علامہ قونوی کے حال میں لکھا ہے[1]

حَضَرَ عِنْدَهُ ابْنُ جُمْلَةٍ فَحَطَّ عَلَى ابْنِ تَيْمِيَةَ فَقَالَ الْقُونَوِيُّ بِالتُّرْكِيِّ هٰذَا مَا يَفْهَمُ كَلَامَ الشَّيْخِ تَقِيِّ الدِّيْنِ۔

قونوی کے پاس ابن جملہ آئے اور ابن تیمیہ کی تنقیص کی۔ آپ نے ترکی میں فرمایا۔ یہ شخص شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) کے کلام کو نہیں سمجھتا۔

اور یہی علامہ قونوی وہ شخص ہیں جو بادشاہ الناصر سے کہہ رہے ہیں: "اگر ابن تیمیہ نے فتاوی سے رجوع کر لیا ہے، ہم ان کو رہا کر دینگے"۔ چنانچہ نہ ابن تیمیہ نے رجوع کیا اور نہ وہ رہا ہوئے۔ علامہ ابن حجر نے علامہ قونوی کے متعلق لکھا ہے[2] كَانَ صَالِحًا ضَابِطًا مُتَثَبِّتًا كَثِيْرَ الْاِنْصَافِ مُثَابِرًا عَلٰى تَحْصِيْلِ الْفَائِدَةِ طَاهِرَ اللِّسَانِ الخ کہ وہ نیک اور ضابطے کے شخص تھے، حق پر جمے رہتے تھے انصاف بہت کرتے تھے، فوائدِ علمیہ کے حاصل کرنے میں لگے رہتے تھے، ان کی زبان پاک تھی۔ اور پھر اُن کے ذوقِ علم کا بیان کیا ہے۔ کیا ہم ان کو داءِ معاصرت سے اس بنا پر متصف کریں گے کہ انھوں نے ابن تیمیہ کو رہا نہ ہونے دیا۔

مولانا آزاد نے علامہ ابوحیان کے متعلق لکھا ہے[3]

"بعد کو (مدح و ستائش کے بعد) صحبت سازگار نہ ہوئی، نحو کے کسی مسئلہ کی نسبت ابوحیان نے سیبویہ کا حوالہ دیا۔ ابن تیمیہ نے کہا۔ یہ سیبویہ کی ان غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے جو اُس نے قرآن کے متعلق کی ہیں۔ وَمَا كَانَ سِيْبَوَيْهِ نَبِيَّ النَّحْوِ وَلَا مَعْصُوْمًا (نہ سیبویہ نحو کے نبی تھے اور نہ معصوم) اس پر ابوحیان نہایت برافروختہ ہوئے اور پھر آخر تک مخالف رہے۔ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ "وَصَيَّرَ ذٰلِكَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ" (اور وہ ایک ایسا گناہ قرار پایا کہ نہ بخشا جائے) یہی وجہ ہے کہ تفسیر میں ایک موقع پر امام ابن تیمیہ کا ذکر اس طرح کیا ہے جس سے نہایت نفرت و مخالفت ٹپکتی ہے۔ حافظ عسقلانی نے یہ عبارت درر کامنہ کے پہلے حصہ میں علامہ ابن تیمیہ کے حالات میں لکھی ہے

---

[1] الدرر الکامنہ ج ۳ ص ۲۷ ملاحظہ کریں۔ [2] درر کامنہ ج ۳ ص ۲۷ [3] تذکرہ ص ۱۶۶

اور چوتھے حصہ میں علامہ ابوحیان کے حالات لکھے ہیں، وہاں تحریر کرتے ہیں[1]

"كَانَ يُعَظِّمُ ابْنَ تَيْمِيَةَ ۔ وَمَدَحَهُ بِقَصِيْدَةٍ ثُمَّ انْحَرَفَ وَذَكَرَهُ فِي تَفْسِيْرِهِ الصَّغِيْرِ بِكُلِّ سُوْءٍ وَنَسَبَهُ اِلَى التَّجْسِيْمِ ۔ فَقِيْلَ اِنَّ سَبَبَ ذٰلِكَ اَنَّهُ بَحَثَ مَعَهُ فِي الْعَرَبِيَّةِ فَاَسَاءَ ابْنُ تَيْمِيَةَ عَلٰى سِيْبَوَيْهِ فَسَاءَ ذٰلِكَ اَبَا حَيَّانَ وَانْحَرَفَ عَنْهُ ۔ وَقِيْلَ بَلْ وَقَفَ لَهُ عَلٰى كِتَابِ الْعَرْشِ فَاعْتَقَدَ اَنَّهُ مُجَسِّمٌ"۔

(ترجمہ) ابوحیان، ابن تیمیہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور ان کی تعریف کی ہے ایک قصیدہ سے۔ پھر اُن سے منحرف ہوگئے (پھر گئے) اور اپنی چھوٹی تفسیر (النہر) میں اُن کا (ابن تیمیہ کا) ذکر بُرائی سے کیا ہے۔ اِس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوحیان نے ابن تیمیہ سے عربیّت میں بحث کی۔ اور ابن تیمیہ نے سیبویہ کے متعلق کچھ نا ملائم بات کہی اور اس سے ابوحیان کو رنج پہنچا، لہٰذا وہ ابن تیمیہ سے پھر گئے۔ اور کہا گیا ہے کہ انحراف کی وجہ یہ ہے کہ ابوحیان نے ابن تیمیہ کی کتاب العرش دیکھ لی اور وہ ابن تیمیہ کو مُجسّمی سمجھنے لگے۔

درر کامنہ کے پہلے حصہ میں حافظ عسقلانی نے خود ابوحیان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے[2]

"قَالَ نَاظَرْتُهُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ فَذَكَرْتُ لَهُ كَلَامَ سِيْبَوَيْهِ فَقَالَ يَفْشُوْ سِيْبَوَيْهِ۔ قَالَ اَبُوْ حَيَّانَ وَهٰذَا لَا يَسْتَحِقُّ الْخِطَابَ"۔

ابوحیان نے کہا میں نے عربیّت کے کسی مسئلہ میں ابن تیمیہ سے مناظرہ کیا اور میں نے سیبویہ کا قول بیان کیا۔ ابن تیمیہ نے کہا۔ سیبویہ غلط کہتا ہے۔ (یہ بیان کرکے) ابوحیان نے کہا۔ یہ (ابن تیمیہ) بات کرنے کے قابل نہیں۔

پورے حالات کو پڑھنے اور سیاق و سباق کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سیبویہ کے متعلق ابن تیمیہ سے جارح لفظ سُن کر ابوحیان اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ گفتگو کے قابل نہیں۔ اور کتاب العرش دیکھ کر یہ سمجھے کہ ابن تیمیہ مجسّمی ہیں۔ اور ان وجوہات کی بنا پر ان کا دل ابن تیمیہ سے ایسا برگشتہ ہوا کہ ۷۳۲ھ میں ابن المحب نے ابوحیان سے اُن کے اشعار سُنے۔ پھر ابن المحب نے ان کے سامنے وہ اشعار پڑھے جو انھوں نے ابن تیمیہ کی مدح میں کہے ہیں۔ ابوحیان نے اُن سے کہا۔ "قَدْ كَشَطْتُهَا مِنْ دِيْوَانِيْ وَلَا اَذْكُرُهُ بِخَيْرٍ"۔ میں نے اپنے دیوان سے ان اشعار کو کاٹ دیا ہے اور میں ان کو بھلائی سے نہیں یاد کرتا۔ ابوحیان نے جس وقت اپنے دل کی برگشتگی کا اظہار کیا ہے۔ ابن تیمیہ کی رحلت کو چھ سال گزر چکے تھے۔ کوئی معمولی بات ایسی دلی برداشتگی کا سبب نہیں ہو سکتی۔

اسبابِ تنافر | یہ بات یقینی ہے کہ وہ دور مایۂ ناز جلیل القدر علماء اعلام کا تھا۔ اِن

---

[1] درر کامنہ ج ۳ ص ۳۰۸۔ [2] درر کامنہ ج ۱ ص ۱۵۳۔

حضرات نے حق کے لئے ابن تیمیہ سے محبت کی اور ان کی تعریف بدرجۂ کمال کی۔ علامہ سبکی نے جو خط علامہ ذہبی کو لکھا ہے سب کے سامنے ہے۔ اگر فی الواقع علامہ ابن تیمیہ تمام ائمۂ مجتہدین سے علم وفضل اور کمال میں بڑھ جائیں تب بھی ان کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ احادیثِ ثابتہ سے انکار کریں۔ چونکہ ابن تیمیہ "منہاج السنۃ" میں بعض احادیثِ ثابتہ سے انکار کر گئے ہیں۔ علامہ تقی الدین سبکی نے ان پر تنقید کی ہے اور لطیف پیرایہ سے کی ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اور مسئلہ طلاق میں جو حیض کی حالت میں دی جائے لکھ گئے ہیں کہ ایسی طلاق کو تسلیم کرنے کے لئے احادیث میں کوئی تصریح نہیں۔ اِس پر علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے[1]

"غَفَلَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَمَّا ثَبَتَ فِی صَحِیْحِ مُسْلِمٍ" اللہ ان پر رحم کرے، وہ ان روایات سے غافل رہ گئے ہیں جو امام مسلم کی صحیح میں ہیں۔

یہی صورت مسئلۂ زیارتِ قبور میں اختیار کی ہے۔ لکھا ہے[2]۔ فکلها ضعیفة باتفاق اهل العلم بالحدیث بل هی موضوعة لم یروا حد من اهل السنن المعتمدة شیئًا منها۔ "حدیث کے اہلِ علم کے اتفاق سے وہ سب ضعیف ہیں بلکہ گھڑی ہوئی ہیں۔ سننِ معتمدہ کے اصحاب میں سے کسی ایک نے بھی ان کی روایت نہیں کی ہے۔" حالانکہ امام بیہقی نے جو روایت "شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ" سے کی ہے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔ اِس حدیث کی روایت ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار اور نسائی نے بھی کی ہے۔

اِس قسم کی بے راہ روی کو علمائے اعلام کب برداشت کر سکتے ہیں۔ علامہ ذہبی ایک موقع پر لکھ گئے ہیں۔

"وَهُوَ عَجِیْبٌ فِی اِسْتِحْضَارِ السُّنَّةِ وَاسْتِخْرَاجِ الْحُجَجِ مِنْهَا بِحَیْثُ یَصْدُقُ عَلَیْهِ اَنْ یُقَالَ کُلُّ حَدِیْثٍ لَا یَعْرِفُهُ ابْنُ تَیْمِیَّةَ فَلَیْسَ بِحَدِیْثٍ وَلٰکِنَّ الْاِحَاطَةَ لِلّٰهِ تَعَالٰی" [3]

(ترجمہ) اور وہ سنت کے یاد رکھنے میں اور اس سے حجتوں کے اخراج میں از عجائبات تھے۔ بنا بریں اُن پر یہ بات صحیح بیٹھتی ہے کہ جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔ لیکن احاطہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔"

لیکن آخر میں وہی ذہبی مجبور ہو کر لکھ رہے ہیں[4]

یَا لَیْتَ اَحَادِیْثَ الصَّحِیْحَیْنِ تَسْلَمُ مِنْكَ اے کاش صحیحین کی حدیثیں تم سے محفوظ رہ سکتیں۔"

حافظ زملکانی نے بھی ابن تیمیہ کی مدح وستائش اس وقت کی ہے جبکہ ابن تیمیہ کی عمر تقریباً

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۱۔
[2] ملاحظہ کریں کتاب الرد علی الاخنائی ص ۱۸۹
[3] تذکرۂ مولانا آزاد ص ۱۶۹ و ص ۱۷۰۔
[4] رسالۃ النصیحۃ الذہبیۃ میں۔

تیس سال کی تھی اور تعریف بھی کیسی کی تھی کہ آج تک تذکرہ نگار اس کو لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اور جب ابن تیمیہ شیخوخت کے حدود میں داخل ہوئے، حافظ زملکانی کو اُن سے نفرت ہوگئی اور نفرت بھی ایسی جو ایذارسانی کی حد کو پہنچ گئی تھی، اس سلسلہ میں مولانا آزاد نے لکھا ہے لے

"بلاشبہ انھوں نے بھی نہایت سخت مخالفت کی، دونوں مرتبہ وہی رئیس المناظرین تھے، حافظ ابن البلقینی لکھتے ہیں جب ابن تیمیہ سے مناظرہ قرار پایا تو زملکانی کے سوا کوئی زبان نہ کھول سکا، حافظ ابن حجر کہتے ہیں "حتیٰ کَانَ اَشَدَّ الْمُتَعَصِّبِیْنَ عَلَیْہِ وَالْعَامِلِیْنَ فِیْ اِیْصَالِ الشَّرِّ اِلَیْہِ وَھُوَ الشَّیْخُ الزَّمْلَکَانِیْ "۔ یعنی زملکانی نے سب سے زیادہ ان کے خلاف اظہارِ تعصب کیا اور ان کو مضرت پہنچانے میں ساعی ہوئے۔"

یہی کیفیت علامہ اثیرالدین ابوحیان کی ہے کہ انھوں نے ابن تیمیہ کی وفات سے اٹھائیس سال پہلے مدح کی اور مدح بھی کیسی پُرزور کہ "مَقَامَ سَیِّدٍ تَیْمٍ" اور "اَنْتَ الْاِمَامُ الَّذِیْ قَدْ کَانَ یُنْتَظَرُ"، کی تشخیص کررہے ہیں اور پھر نفرت ہوئی تو ایسی کہ ان اشعار کو اپنے دیوان میں سے کاٹ دیا۔ اور ابن تیمیہ کی وفات کے بعد بھی ان سے نہایت برگشتہ رہے۔

اَلدُّرَرُ الْکَامِنَۃ یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے۔ حیدرآباد دکن میں چھپی ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ کے صفحہ ۱۴۴ سے ۱۶۱ تک علامہ تقی الدین احمد ابن تیمیہ کا تذکرہ ہے۔ شروع کے چھ صفحات میں حالات اور واقعات کا ذکر ہے۔ لکھا ہے۔ "وَاَوَّلُ مَا اَنْکَرُوْا عَلَیْہِ مِنْ مَقَالَاتِہٖ فِیْ شَھْرِ رَبِیْعِ الْاَوَّلِ سَنَۃَ ۶۹۸ قَامَ عَلَیْہِ جَمَاعَۃٌ مِّنَ الْفُقَھَاءِ بِسَبَبِ الْفَتْوَی الْحَمَوِیَّۃِ" ان کی تحریرات پر ناپسندیدگی کا اظہار پہلی مرتبہ ماہ ربیع الاول ۶۹۸ھ میں ہوا جب کہ ان کے حموی فتویٰ کے خلاف فقہاء کی ایک جماعت کھڑی ہوئی"۔

چوں کہ ابن تیمیہ کی ولادت ربیع الاول ۶۶۱ھ کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ مخالفت کی ابتدا اس وقت ہوئی ہے جب ابن تیمیہ سینتیس ۳۷ سال کے تھے۔ اور چوں کہ فتویٰ حموی کا تعلق عقائد سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کا اختلاف عقائد کی بنا پر شروع ہوا ہے۔

پھر حافظ ابن حجر نے علماء کرام کی کتابوں سے ابن تیمیہ کی مدح و ستائش اور ان کے ہفوات کا بیان کیا ہے، تقریباً آٹھ صفحات میں محاسن کا اور تقریباً تین صفحات میں مساوی کا بیان ہے۔

محاسن میں علم، فضل، تبحرِ علمی، استحضارِ مسائل، چاروں مذاہب میں مہارت، ردِّ بدعات، جہاد کے واسطے ہر وقت تیار رہنا، زہد، تقویٰ، خشیت، جرأت اور دیگر صفاتِ حسنہ کا بیان ہے۔ اور خوب بیان ہے۔ اور یہ مسرت کا مقام ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی ان اچھی صفات کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے۔ البتہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ان کے اتباع اور طرفدار اُن کی ہفوات اور مزلات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب

لے ملاحظہ کریں تذکرہ مولانا آزاد ص ۲۵۴

سید صدیق حسن خان اور امرائے نجد کی مساعی نے بڑا کام کیا ہے اور "جلاء العینین" وغیرہ کی تالیف ہوئی ہے۔ اس کا یہ اثر دیکھنے میں آیا کہ جن افراد نے "الرد الوافر" وغیرہ کا اور پھر "جلاء العینین" وماشاکلہ کا مطالعہ کیا ہو ان کی نظر میں علماءِ امتِ محمدیہ میں ابن تیمیہ کا مثل نہیں ہے۔ چوں کہ یہ خیال خلاف واقع ہے، اس لئے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس کتاب سے علامہ ابن تیمیہ کی بعض ہفوات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سہولت مراجعہ کے لئے صفحہ کا نمبر بھی لکھ دیا ہے۔

(ص۱۵۳) كَانَ يَتَكَلَّمُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلَى طَرِيْقَةِ الْمُفَسِّرِيْنَ مَعَ الْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ فَيُوْرِدُ فِيْ سَاعَةٍ مِّنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاللُّغَةِ وَالنَّظَرِ مَا لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ عَلَى أَنْ يُّوْرِدَهُ فِيْ عِدَّةِ مَجَالِسَ كَأَنَّ هٰذِهِ الْعُلُوْمَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَيَأْخُذُ مِنْهَا مَا يَشَاءُ وَيَذَرُ، وَمِنْ ثَمَّ نَسَبَ أَصْحَابُهُ إِلَى الْغُلُوِّ فِيْهِ وَاقْتَضَى لَهُ ذٰلِكَ الْعُجْبَ بِنَفْسِهِ حَتّٰى زَهٰى عَلٰى أَبْنَاءِ جِنْسِهِ وَاسْتَشْعَرَ أَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فَصَارَ يَرُدُّ عَلٰى صَغِيْرِ الْعُلَمَاءِ وَكَبِيْرِهِمْ قَدِيْمِهِمْ۔ (ص۱۵۴) وَحَدِيْثِهِمْ حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى عُمَرَ فَخَطَّأَهُ فِيْ شَيْءٍ فَبَلَغَ الشَّيْخَ إِبْرَاهِيْمَ الرَّقِّيَّ فَأَنْكَرَ عَلَيْهِ، فَذَهَبَ إِلَيْهِ وَاعْتَذَرَ وَاسْتَغْفَرَ وَقَالَ فِيْ حَقِّ عَلِيٍّ أَخْطَأَ فِيْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَيْئًا ثُمَّ خَالَفَ فِيْهَا نَصَّ الْكِتَابِ مِنْهَا اعْتِدَادُ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا أَطْوَلَ الْأَجَلَيْنِ، وَكَانَ لِتَعَصُّبِهِ لِمَذْهَبِ الْحَنَابِلَةِ يَقَعُ فِي الْأَشَاعِرَةِ حَتّٰى أَنَّهُ سَبَّ الْغَزَالِيَّ فَقَامَ عَلَيْهِ قَوْمٌ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَهُ۔

(ترجمہ) ابن تیمیہ مفسروں کے طریقہ پر مع فقہ اور حدیث کے منبر پر بیان کیا کرتے تھے، وہ ایک گھڑی میں آیات مبارکہ، احادیث طیبہ، لغت اور نظر میں سے اتنا کچھ بیان کر دیا کرتے تھے کہ کوئی دوسرا کئی مجلسوں میں بھی بیان نہ کر سکے۔ ان کی تقریر سن کر محسوس ہوتا تھا کہ تمام علوم ان کی نظر کے سامنے ہیں۔ وہ جس کو چاہتے ہیں بیان کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں چھوڑتے ہیں۔ ان کی اس جامعیت کو دیکھ کر ان کے طرفداروں نے ان کے بارے میں غلو کیا اور اس وجہ سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوا، وہ اپنے کو اپنے ابناءِ جنس سے برتر سمجھنے لگے، ان کو خیال پیدا ہو گیا کہ وہ مجتہد ہو گئے ہیں، انھوں نے علماءِ کرام پر، کیا چھوٹے کیا بڑے، کیا اگلے کیا پچھلے، سبھی پر رد کرنا شروع کر دیا۔ تا آں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے۔ اور کسی بات میں ان کو برخطا کہہ گئے۔ یہ بات شیخ ابراہیم رقی[۱] تک پہنچی اور انھوں نے اس پر نکیر کی۔ چنانچہ ابن تیمیہ ان کے پاس گئے اور عذرخواہی اور استغفار کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق کہہ گئے کہ سترہ جگہ ان سے خطا ہوئی ہے اور وہ نص کتاب کی مخالفت کر گئے ہیں چنانچہ حاملہ عورت کے خاوند کے مرنے پر اطول الاجلین عدت قرار دی ہے اور حنبلیت کے تعصب کی بنا پر اشاعرہ پر اعتراضات کرتے رہتے تھے حتی کہ امام غزالی کو گالی دے بیٹھے چنانچہ کچھ لوگ برافروختہ

[۱] آپ کا پورا نام ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن محمد بن معالی بن محمد بن عبد الکریم الرقی ہے۔ رقہ فرات کے کنارے ایک آبادی ہے۔ آپ کا مذہب حنبلی تھا۔ اپنے وقت کی برکت، زاہد، عالم، فاضل اور شیریں زبان واعظ تھے۔ احیاناً حضرات مشائخ کی محفل سماع میں شریک ہوتے تھے۔ برزالی اور ذہبی نے ان سے سنا ہے دمشق میں قیام تھا۔ ولادت ۶۴۷ھ میں اور وفات ۷۰۳ھ میں ہوئی۔ قاسیون میں مدفون ہوئے۔

ہوئے اور قریب تھا کہ ان کو قتل کر دیتے۔

(ص۱۵۲) ذَکَرُوْا اَنَّهٗ ذَکَرَ حَدِیْثَ النُّزُوْلِ فَنَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ دَرَجَتَیْنِ فَقَالَ کَنُزُوْلِیْ هٰذَا فَنُسِبَ اِلَی التَّجْسِیْمِ وَرَدِّهٖ عَلٰی مَنْ تَوَسَّلَ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوِ اسْتَغَاثَ۔ فَاُشْخِصَ مِنْ دِمَشْقَ فِیْ رَمَضَانَ سَنَةِ خَمْسٍ وَسَبْعِمِائَةٍ۔ الخ

"بیان کیا ہے کہ انھوں نے حدیث نزول کا ذکر کیا اور وہ منبر کی دو سیڑھیاں اترے اور کہا میرے اس نزول (اترنے) کی طرح، اور اس کی وجہ سے تجسیم کی طرف ان کی نسبت کی گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور استغاثہ پر انھوں نے رد کیا ہے، بنا بریں وہ ۷۰۵ھ کے رمضان میں دمشق سے قاہرہ کو روانہ کئے گئے۔" الخ

(ص۱۵۵ وص۱۵۶) وَنَسَبَهٗ قَوْمٌ اِلٰی اَنَّهٗ یَسْعٰی فِی الْاِمَامَةِ الْکُبْرٰی فَاِنَّهٗ کَانَ یَلْهَجُ بِذِکْرِ ابْنِ تُوْمَرْتَ وَیُطْرِیْهِ فَکَانَ ذٰلِكَ مُؤَکِّدًا الطُّوْلَ سِجْنِهٖ وَلَهٗ وَقَائِعُ شَهِیْرَةٌ وَکَانَ اِذَا حُوْقِقَ وَاُلْزِمَ یَقُوْلُ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ کَذَا فَذَکَرَ احْتِمَالًا بَعِیْدًا وَکَانَ مِنْ اَذْکِیَاءِ الْعَالَمِ وَلَهٗ فِیْ ذٰلِكَ اُمُوْرٌ عَظِیْمَةٌ۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ امامتِ کبریٰ کے حاصل کرنے کی فکر میں تھے اور وہ ابن تومرت کا ذکر مزے لے کر کیا کرتے تھے چنانچہ ان کی قید و بند کی طوالت کے سلسلہ میں یہ وجہ بھی ممد ثابت ہوئی، اور ان کے واقعات مشہور ہیں۔ جب ان سے تحقیق کی جاتی تھی اور ان پر الزام آجاتا تھا۔ وہ کہدیا کرتے تھے۔ میرا مقصد یہ تھا اور وہ دور کا احتمال بیان کر دیا کرتے تھے۔ وہ دنیا کے سمجھداروں میں سے ایک سمجھدار تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے عظیم کام کئے ہیں۔

(ص۱۵۱) مَنْ خَالَطَهٗ وَعَرَفَهٗ فَقَدْ یَنْسِبُنِیْ اِلَی التَّقْصِیْرِ فِیْهِ وَمَنْ نَابَذَهٗ وَخَالَفَهٗ قَدْ یَنْسِبُنِیْ اِلَی التَّغَالِیْ فِیْهِ وَقَدْ اُوْذِیْتُ مِنَ الْفَرِیْقَیْنِ مِنْ اَصْحَابِهٖ وَاَضْدَادِهٖ۔

اَنَا لَا اَعْتَقِدُ فِیْهِ عِصْمَةً بَلْ اَنَا مُخَالِفٌ لَهٗ فِیْ مَسَائِلَ اَصْلِیَّةٍ وَفَرْعِیَّةٍ فَاِنَّهٗ کَانَ مَعَ سِعَةِ عِلْمِهٖ وَفَرْطِ شُجَاعَتِهٖ وَسَیَلَانِ ذِهْنِهٖ وَتَعْظِیْمِهٖ لِحُرُمَاتِ الدِّیْنِ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ تَعْتَرِیْهِ حِدَّةٌ فِی الْبَحْثِ وَغَضَبٌ وَشَظَفٌ لِلْخَصْمِ تَزْرَعُ لَهٗ عَدَاوَةً فِی النُّفُوْسِ وَاِلَّا لَوْلَا طَفَّ خُصُوْمَهٗ لَکَانَ کَلِمَةَ اِجْمَاعٍ فَاِنَّ کِبَارَهُمْ خَاضِعُوْنَ لِعُلُوْمِهٖ مُعْتَرِفُوْنَ بِشَنُوْفِهٖ مُقِرُّوْنَ بِنُدُوْرِ خِطَائِهٖ وَاَنَّهٗ بَحْرٌ لَا سَاحِلَ لَهٗ وَکَنْزٌ لَا نَظِیْرَ لَهٗ وَلٰکِنْ یَنْقِمُوْنَ عَلَیْهِ اَخْلَاقًا وَاَفْعَالًا وَکُلُّ اَحَدٍ یُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَیُتْرَكُ۔

"جو اُن سے ملا اور اُس نے اُن کو پہچانا وہ میری نسبت کوتاہی کرنے والوں سے کرتا ہے اور جو اُن سے کٹا اور ان کا مخالف ہوا وہ میری نسبت غلو کرنے والوں سے کرتا ہے، اور مجھ کو دونوں فریقوں نے ایذا پہنچائی ہے۔

اُن کے ساتھیوں نے اور ان کے مخالفوں نے :۔

"میں اُن کی عصمت کا معتقد نہیں بلکہ مجھ کو ان سے اصولی اور فروعی مسائل میں اختلاف ہے، علم کثیر، شجاعتِ زائدہ اور فکرِ رسا ہوتے ہوئے اور حرمات دین کی تعظیم کرنے کے باوجود، وہ از جملہ بشر ایک بشر تھے۔ مباحثہ کے دوران میں اپنے مخالفوں کے ساتھ ترش مزاجی، غصہ، اور سختی سے پیش آتے تھے۔ جس کی وجہ سے دلوں میں عداوت کا بیج پڑ جاتا تھا۔ اگر وہ مخالفوں کے ساتھ لطف سے پیش آتے تو اتحاد کا بول بن جاتے، کیونکہ مخالفوں کے بڑے اُن کے علم کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے اور ان کی فطانت اور نُدرت کے معترف تھے، وہ ایسا سمندر ہیں کہ اس کا ساحل نہیں اور ایسا خزانہ ہیں کہ اس کی نظیر نہیں۔ البتہ اُن کے اخلاق اور افعال کو ناپسند کیا جاتا ہے اور قبولیت اور ناقبولیت کا مدار ہی زبان پر ہے۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرف الدین عبد اللہ برادر ابن تیمیہ کے حال میں لکھا ہے۔

كَانَ اَخُوْهُ يُكْرِمُهٗ وَيُعَظِّمُهٗ وَكَانَ فُضَلَاءُ عَصْرِهِمَا يَقُوْلُوْنَ هُوَ اَقْرَبُ مِنْ اَخِيْهِ اِلٰى طَرِيْقِ الْعُلَمَاءِ وَاَفْعَدُ بِمَبَاحِثِ الْفُضَلَاءِ۔

"ابن تیمیہ ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے اور اُن کے زمانے کے فضلاء کہا کرتے تھے بہ نسبت اپنے بھائی کے (ابن تیمیہ کے) علما کے طور طریقوں اور فضلاء کے مباحث سے عبد اللہ زیادہ واقف تھے۔"

ذہبی کی زغل العلم والطلب

یہ رسالہ علامہ ذہبی نے طالبان علوم دینیہ کے واسطے لکھا ہے، ان کو منافع اور مضار سے آگاہ کیا ہے۔ علم حدیث کے بیان میں اللہ کی تحمید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دور میں بھی ایسے افراد موجود ہیں جو اس مبارک علم کی قدر و شان کو سمجھتے ہیں۔ پھر انھوں نے چودہ افراد کے نام مثال کے طور پر لکھے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

مزی، ابن تیمیہ، برزالی، ابن سید الناس، قطب الدین حلبی، تقی الدین سبکی، قاضی شمس الدین حنبلی، ابن قاضی القضات ابن جماعہ، صلاح الدین بن العلائی، فخر الدین بن الفخر، امین الدین بن الوانی، ابن امام (ام الملک) الصالح، محی الدین مقدسی، سیدی عبد اللہ بن خلیل۔

پھر فقہائے شافعیہ کے بیان میں لکھا ہے۔

اِحْذَرِ الْمِرَاءَ فِي الْبَحْثِ وَاِنْ كُنْتَ مُحِقًّا وَلَا تُنَازِعْ فِيْ مَسْئَلَةٍ لَا تَعْتَقِدُهَا وَاحْذَرِ الْكِبْرَ وَالْعُجْبَ بِعِلْمِكَ فَيَا سَعَادَتَكَ اِنْ نَجَوْتَ مِنْهُ كَفَافًا لَا عَلَيْكَ وَلَا لَكَ فَوَاللّٰهِ مَا رَمَقَتْ عَيْنِيْ اَوْسَعَ عِلْمًا وَلَا اَقْوٰى ذَكَاءً مِنْ رَجُلٍ يُقَالُ لَهٗ اِبْنُ تَيْمِيَّةَ مَعَ الزُّهْدِ فِي الْاَكْلِ وَالْمَلْبَسِ وَالنِّسَاءِ مَعَ الْقِيَامِ ...... فِي الْحَقِّ وَالْجِهَادِ بِكُلِّ مُمْكِنٍ وَقَدْ تَعِبْتُ فِيْ وَزْنِهٖ وَفَتْشِهٖ حَتّٰى مَلِلْتُ فِيْ سِنِيْنَ مُتَطَاوِلَةٍ فَمَا وَجَدْتُ آخِرَهٗ بَيْنَ اَهْلِ مِصْرَ وَالشَّامِ وَمَقَتَتْهُ نُفُوْسُهُمْ وَازْدَرَوْا بِهٖ وَكَذَّبُوْهُ وَكَفَّرُوْهُ اِلَّا لِلْكِبْرِ وَالْعُجْبِ وَ

فَرطِ الغَرامِ فِی رِیاسَۃِ المَشیخَۃِ وَالاِزدِرَاءِ بِالکِبَارِ فَانظُر کَیفَ وَبَالُ الدَّعاوٰی وَمَحَبَّۃُ الظُّھُورِ نَسألُ اللّٰہَ المُسَامَحَۃَ، فَقَد قَامَ عَلَیہِ اُنَاسٌ لَیسُوا بِاَورَعَ مِنہُ وَلَا اَعلَمَ مِنہُ وَلَا اَزھَدَ مِنہُ بَل یَتَجَاوَزُونَ عَن ذُنُوبِ اَصحَابِھِم وَآثَامِ اَصدِقَائِھِم وَمَا سَلَّطَھُمُ اللّٰہُ عَلَیہِ بِتَقوَاھُم وَجَلَالَتِھِم بَل بِذُنُوبِہٖ وَمَا دَفَعَ اللّٰہُ عَنہُ وَعَن اَتبَاعِہٖ اَکثَرُ وَمَا جَرٰی عَلَیھِم اِلَّا بَعضَ مَا یَستَحِقُّونَ فَلَا تَکُن فِی رَیبٍ مِن ذٰلِکَ۔"

(ترجمہ) مباحثہ کے وقت اپنے کو نام و نمود سے بچاؤ، چاہے تم ہی حق پر کیوں نہ ہو، اور ایسے مسئلہ میں بحث نہ کرو جس کا تم کو اعتقاد نہ ہو اور اپنے کو اپنے علم کے گھمنڈ اور غرور سے بچاؤ، تمہاری بڑی خوش نصیبی ہوگی اگر تم علم کا بوجھ اٹھانے میں برابری میں چھوٹ جاؤ کہ نہ تم پر کچھ آئے اور نہ تم کو کچھ ملے۔ خدا کی قسم میری آنکھ نے اس شخص سے جس کو ابن تیمیہ کہتے ہیں، کسی کو زیادہ علم اور سمجھ والا نہیں دیکھا۔ اور پھر کھانے میں، کپڑوں میں اور عورتوں کے معاملہ میں ان کا جو زہد تھا، اور پھر قیام حق اور ہمہ وقت جہاد کے واسطے ہر ممکن ذرائع کے ساتھ ان کا کمربستہ رہنا۔ میں سالہا سال اُن کے پرکھنے اور سمجھنے میں مصروف رہا اور آخر کار میں تھک گیا۔ میں نے غرور اور گھمنڈ، اور ریاستِ مشیخت کی بے پناہ ہوس، اور اکابر کی تحقیر کرنے کی بہ دولت اس کا یہ انجام مصر و شام میں دیکھا کہ لوگوں کو اُس سے نفرت ہوگئی، اور انھوں نے اس کی تکذیب و تکفیر شروع کر دی۔ دیکھو اپنے کو چمکانے اور بلند بانگ دعاوی کرنے کا کیسا گھناؤنا وبال ہوتا ہے، ہم اللہ سے مسامحت کے طلب گار ہیں۔

ابن تیمیہ کی مخالفت پر وہ لوگ کمربستہ ہوئے جو علم و تقویٰ اور زہد میں اُن سے بڑھ کر نہ تھے۔ البتہ وہ لوگ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرنے والے تھے۔ اللہ نے ان لوگوں کو ان کے تقویٰ اور جلالتِ قدر کی وجہ سے ابن تیمیہ پر مسلّط نہیں کیا۔ بلکہ یہ سب کچھ ابن تیمیہ کے گناہوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن آفتوں اور تکلیفوں سے ان کو اور ان کے اتباع کو بچایا ہے، وہ بہ نسبت ان آفتوں کے جو ان پر نازل ہوئیں بہت زیادہ ہیں۔ تم کو اس بات میں شک شبہ نہ ہونا چاہیے۔"

علامہ ذہبی نے پھر علم اصول دین کے بیان میں سلف صالح کے مسلک کو پسند اور خلف کے طریقہ کو ناپسند کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "مِن حُسنِ اِسلَامِ المَرءِ تَرکُہٗ مَا لَا یَعنِیہِ۔" اسلام کی خوبیوں میں سے کسی شخص کی یہ ہے کہ بیکار امور کو چھوڑ دیا جائے۔ اور پھر تحریر فرمایا ہے۔

فَاِن بَرَعتَ فِی الاُصُولِ وَتَوَابِعِھَا مِنَ المَنطِقِ وَالفَلسَفَۃِ وَآرَاءِ الاَوَائِلِ وَمُحَارَاتِ العُقُولِ وَاعتَصَمتَ مَعَ ذٰلِکَ بِالکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَاُصُولِ السَّلَفِ وَلَفَّقتَ بَینَ العَقلِ وَالنَّقلِ فَمَا اَظُنُّکَ فِی ذٰلِکَ تَبلُغُ رُتبَۃَ اِبنِ تَیمِیَّۃَ وَلَا وَاللّٰہِ تُقَارِبُھَا وَقَد رَاَیتَ مَا آلَ اَمرُہٗ اِلَیہِ مِن

الحطّ عليه والهجر والتضليل والتكفير والتكذيب بحقٍّ وبباطلٍ فقد كان قبل أن يدخل في هذه الصناعة منوّراً مضيئاً على محيّاه سيما السلف ثم صار مظلماً مكسوفاً عليه قتمة عند خلائق من الناس ودجالاً أفّاكاً كافراً عند أعدائه، ومبتدعاً فاضلاً محققاً بارعاً عند طوائف من عقلاء الفضلاء، وحامل راية الإسلام وحامي حوزة الدين ومحيي السنة عند عموم أصحابه، هذا ما أقول لك۔

(ترجمہ) اگر تم اصول (یعنی عقائد و کلام) اور اس کے توابع منطق و حکمت و فلسفہ میں مہارت پیدا کر لو اوائل کے آرا، اور محیّر العقول باتوں سے بھی واقف ہو جاؤ، اور ساتھ ہی کتاب و سنّت اور اصول سلف کو بھی سمجھ لو، اور عقل و نقل کو آپس میں ملا دو تب بھی میں خیال نہیں کر سکتا کہ تم ابن تیمیہ کا مرتبہ پا لوگے، بلکہ اللہ کی قسم تم ان کے مرتبہ کے قریب بھی نہیں جا سکتے۔ ابن تیمیہ کا جو انجام ہوا ہے وہ میرے پیش نظر ہے، کہ اُن کی بے عزتی کی گئی، اُن کو بُرا کہا گیا، اور ان کی تضلیل و تکفیر و تکذیب حق و ناحق کی گئی (یعنی گمراہ، کافر اور جھوٹا کہا گیا)۔

اس روش کے اختیار کرنے سے پہلے خلقت کی نظر میں اُن کا چہرہ نورانی اور تابان تھا۔ اس پر سلف صالح کے آثار ظاہر تھے، پھر وہی چہرہ ایک مخلوق کی نظر میں تاریک اور بے نور ہوا، اور اپنے دشمنوں کی نظر میں دجّال، الزام تراش اور کافر ہوئے، اور سمجھدار فاضلوں کے نزدیک، نئی باتیں نکالنے والے، فاضل و محقق و ماہر بنے، اور اپنے اصحاب کے نزدیک، اسلام کا بیرق اٹھانے والے، اصولِ دین کی حفاظت اور سنّت کو زندہ کرنے والے قرار پائے، میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔

النصيحة الذهبية

یہ ایک مکتوب ہے جو علامہ ذہبی نے از روئے نصیحت علامہ ابن تیمیہ کو لکھا ہے اور علامہ محمد زاہد الکوثری نے ۱۳۴۷ھ میں اس کو رسالہ زغل العلم والطلب کے ساتھ دمشق میں چھپوایا ہے میں اس کو نقل کرتا ہوں، چوں کہ اس کا ترجمہ بعد میں لکھا جائے گا اس لئے اس مکتوب کے دس حصّے کر دیئے ہیں تاکہ مراجعہ کرنے میں سہولت رہے۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

(۱) بسم الله الرحمٰن الرحيم. الحمد لله، على ذلّتي يا ربّ ارحمني وأقلني عثرتي واحفظ عليّ إيماني، واحزناه على قلّة حزني، وا أسفاه على السنّة وذهاب أهلها، واشوقاه إلى إخوانٍ مؤمنين يعاونونني على البكاء، واحزناه على فقد أناسٍ كانوا مصابيح العلم وأهل التقوى وكنوز الخيرات، آهٍ على وجود درهمٍ حلالٍ وأخٍ مؤنسٍ، طوبى لمن شغله عيبه عن عيوب الناس وتبّاً لمن شغله عيوب الناس عن عيبه۔

(۲) إلى كم ترى القذاة في عين أخيك وتنسى الجذع في عينك، إلى كم تمدح

نفسك وشقاشقك وعباراتك وتذم العلماء وتتبع عورات الناس مع علمك بنهي الرسول صلى الله عليه وسلم، "لاتذكروا موتاكم إلا بخير فإنهم قد أفضوا إلى ما قدموا"، بلى أعرف أنك تقول لي لتنصر نفسك: إنما الوقيعة في هؤلاء الذين ما شموا رائحة الإسلام ولا عرفوا ما جاء به محمد صلى الله عليه وسلم وهو جهاد، بلى والله عرفوا خيرا كثيرا مما إذا عمل به العبد فقد فاز وجهلوا شيئا كثيرا مما لا يعنيهم ومن حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه۔

(٣) يا رجل بالله عليك، كف عنا فإنك محجاج عليم اللسان لا تقر ولا تنام، إياكم والأغلوطات في الدين، كره نبيك صلى الله عليه وسلم المسائل وعابها ونهى عن كثرة السؤال وقال: "إن أخوف ما أخاف على أمتي كل منافق عليم اللسان"، وكثرة الكلام بغير دليل تقسي القلب إذا كان في الحلال والحرام فكيف إذا كان في عبارات اليونسية والفلاسفة وتلك الكفريات التي تعمي القلوب۔

(٤) والله قد صرنا ضحكة في الوجود فإلى كم تنبش دقائق الكفريات الفلسفية لنرد عليها بعقولنا، يا رجل قد بلعت سموم الفلاسفة ومصنفاتهم مرات وبكثرة... استعمال السموم يدمن عليها الجسم وتكمن والله في البدن۔

(٥) واشوقاه إلى مجلس فيه تلاوة بتدبر وخشية بتذكر وصمت بتفكر واها لمجلس يذكر فيه الأبرار فعند ذكر الصالحين تنزل الرحمة لا عند ذكر الصالحين يذكرون بالازدراء واللعنة۔

(٦) كان سيف الحجاج ولسان ابن حزم شقيقين فواخيتهما، بالله خلونا من ذكر بدعة الخميس وأكل الحبوب وجدوا في ذكر بدع كنا نعدها رأسا من الضلال وقد صارت هي محض السنة وأساس التوحيد، ومن لم يعرفها فهو كافر أو حمار ومن لم يكفر فهو أكفر من فرعون وتعد النصارى مثلنا۔

(٧) والله في القلوب شكوك إن سلم لك إيمانك بالشهادتين فأنت سعيد يا خيبة من اتبعك فإنه معرض للزندقة والانحلال لا سيما إذا كان قليل العلم والدين باطوليا شهوانيا، لكنه ينفعك ويجاهد عنك بيده ولسانه وفي الباطن عدو لك بحاله وقلبه، فهل معظم أتباعك إلا قعيد مربوط خفيف العقل أو عامي كذاب بليد الذهن أو غريب واجم قوي المكر أو ناشف صالح عديم الفهم فإن لم تصدقني ففتشهم وزنهم بالعدل۔

(۸) یَا مُسْلِمُ اَقْدَمَ حِمَارُ شَهْوَتِكَ لِمَدْحِ نَفْسِكَ، اِلٰی کَمْ تُصَادِقُهَا وَتُعَادِی الْاَخْيَارَ اِلٰی کَمْ تُصَدِّقُهَا وَتَزْدَرِی بِالْاَبْرَارِ اِلٰی کَمْ تُعَظِّمُهَا وَتُصَغِّرُ الْعِبَادَ، اِلٰی مَتٰی تُخَالِلُهَا وَتَمْقُتُ الزُّهَّادَ، اِلٰی مَتٰی تَمْدَحُ كَلَامَكَ بِكَيْفِيَّةٍ لَا تَمْدَحُ بِهَا وَاللّٰهِ اَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَيْنِ، يَا لَيْتَ اَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَيْنِ تَسْلَمُ مِنْكَ، بَلْ فِیْ كُلِّ وَقْتٍ تُغِيْرُ عَلَيْهَا بِالتَّضْعِيْفِ وَالْاِهْدَارِ اَوْ بِالتَّاوِيْلِ وَالْاِنْكَارِ۔

(۹) اَمَا اٰنَ لَكَ اَنْ تَرْعَوِیَ، اَمَا حَانَ لَكَ اَنْ تَتُوْبَ وَتُنِيْبَ، اَمَا اَنْتَ فِیْ عَشْرِ السَّبْعِيْنَ وَقَدْ قَرُبَ الرَّحِيْلُ۔ بَلٰی، وَاللّٰهِ مَا اَذْكُرُ اَنَّكَ تَذْكُرُ الْمَوْتَ بَلْ تَزْدَرِی بِمَنْ يَذْكُرُ الْمَوْتَ، فَمَا اَظُنُّكَ تَقْبَلُ عَلٰی قَوْلِیْ وَلَا تُصْغِیْ اِلٰی وَعْظِیْ، بَلْ لَكَ هِمَّةٌ كَبِيْرَةٌ فِیْ نَقْضِ هٰذِهِ الْوَرَقَةِ بِمُجَلَّدَاتٍ وَتَقْطَعُ لِیْ اَذْنَابَ الْكَلَامِ وَلَا تَزَالُ تَنْتَصِرُ حَتّٰی اَقُوْلَ لَكَ وَالْبَتَّةَ سَكَتُّ۔ فَاِذَا كَانَ هٰذَا حَالُكَ عِنْدِیْ وَاَنَا الشَّفُوْقُ الْمُحِبُّ الْوَادُّ فَكَيْفَ يَكُوْنُ حَالُكَ عِنْدَ اَعْدَائِكَ، وَاَعْدَاؤُكَ وَاللّٰهِ فِيْهِمْ صُلَحَاءُ وَعُقَلَاءُ وَفُضَلَاءُ، كَمَا اَنَّ اَوْلِيَاءَكَ فِيْهِمْ فَجَرَةٌ وَكَذَبَةٌ وَجَهَلَةٌ وَبَطَلَةٌ وَعُوْرٌ وَبَقَرٌ۔

(۱۰) قَدْ رَضِيْتُ مِنْكَ بِاَنْ تَسُبَّنِیْ عَلَانِيَةً وَتَنْتَفِعُ بِمَقَالَتِیْ سِرًّا، رَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا اَهْدٰی اِلَیَّ عُيُوْبِیْ۔ فَاِنِّیْ كَثِيْرُ الْعُيُوْبِ غَزِيْرُ الذُّنُوْبِ، اَلْوَيْلُ لِیْ اِنْ اَنَا لَا اَتُوْبُ وَوَا فَضِيْحَتِیْ مِنْ عَلَّامِ الْغُيُوْبِ وَدَوَائِیْ عَفْوُ اللّٰهِ وَمُسَامَحَتُهٗ وَتَوْفِيْقُهٗ وَهِدَايَتُهٗ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

النصیحۃ الذہبیہ کا آزاد ترجمہ

(۱) ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، جمیع محامد اللہ ہی کے لئے ہیں، اے میرے پروردگار! میری عاجزی اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے مجھ پر رحم کر، میری لغزشوں کو معاف کر اور میرے لئے میرے ایمان کو سلامت رکھ۔

ہائے میرا غم میرے غم کی کمی پر، اور ہائے میرا افسوس سُنّت اور اہل سُنّت کے مٹنے اور رخصت ہونے پر، ہائے میرا شوق اُن ایمان دار بھائیوں کے لئے جو نالہ وفغان میں میرا ساتھ دیا کرتے تھے، ہائے میرا رنج اُن لوگوں کے لئے جو علم کے چراغ، تقویٰ کے اہل اور بھلائیوں کے خزانے تھے۔ افسوس، نہ اب حلال درہم رہا اور نہ مُونس بھائی۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اپنا عیب دوسروں کی عیب بینی سے باز رکھے۔ اور بربادی ہے اس شخص کے لئے جس کو دوسروں کے عیوب کا تلاش کرنا اپنے عیوب سے غافل کردے۔

(۲) تم کب تک اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے ٹٹولتے رہوگے اور اپنی آنکھ کے شہتیر سے تغافل برتوگے، کب تک اپنے نفس اور اپنی لن ترانیوں اور تحریروں کی مدّاحی میں مصروف رہوگے اور کب تک علماء کی...

مذمّت میں اور لوگوں کے عیوب کی تلاش میں مُجتے رہو گے۔ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے، آپ کا ارشاد ہے "اپنے مرے ہوئے لوگوں کا ذکر بجز بھلائی کے نہ کرو، وہ اپنا کیا پا چکے ہیں۔" میں سمجھتا ہوں کہ تم اپنی مدافعت کرتے ہوئے کہو گے، "میری ڈانٹ ڈپٹ اُن لوگوں کیلئے ہے جن کو اسلام کی ہوا تک نہیں لگی ہے اور جو سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو سمجھے تک نہیں ہیں، اور میں جو کچھ ان کے ساتھ کر رہا ہوں، سراسر جہاد ہے۔" خدا کی قسم، ان لوگوں کو بلا شک وشبہ اتنی اچھی باتیں معلوم ہیں کہ اگر کوئی اُن پر عمل کرے، اس کا بیڑا پار ہے۔ اور وہ لوگ بہت سی غیر ضروری باتوں سے ناواقف بھی ہیں۔ اور اسلام کی خوبی میں سے یہ بات ہے کہ غیر ضروری باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

(۳) اے بندۂ خدا، خدارا اپنی زبان کو ہم سے روکو، بے شک تم چرب زبان اور باتونی ہو، نہ تم کو قرار ہے نہ آرام، "بچاؤ اپنے کو دین کی مغالطہ بازی سے" زیادہ پوچھ گچھ کرنے اور بال کی کھال نکالنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا ہے، بلکہ آپ نے اس کو بُرا کہا ہے، آپ کا ارشاد ہے "مجھ کو اپنی امت کے بارے میں اس شخص سے کھٹکا ہے، جو دو رُخا اور چرب زبان ہو۔" جب کہ حلال وحرام کے سلسلہ میں بلا ضرورت اور بے دلیل زیادہ بولنا قساوتِ قلب کا سبب ہوتا ہے، تو پھر یُونسیہ اور فلسفیہ عبارتوں میں انہماک کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ یہ ایسی کفریات ہیں جو دل کو اندھا کر دیتی ہیں۔

فائدہ: یونسیہ کی نسبت شیخ یونس بن یوسف بن مُساعِد شیبانی کی طرف ہے جو کہ علاقۂ ماردین میں قنیہ کے رہنے والے تھے، اُن کی وفات ۶۱۹ھ میں ہوئی ہے۔ وہ نیک وصالح اور صاحب احوال تھے۔ ابن خلکان نے ان کی ایک کرامت کا بیان کیا ہے، اُن کے سلسلہ کو یونسیہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے پیروان بدعات میں پڑ گئے تھے، علامہ ابن عماد نے شذرات الذہب میں لکھا ہے۔ دُور کرے اللہ اُن کے شر کو، غالباً علامہ ابن تیمیہ ان کے شر کو مٹانا چاہتے ہوں گے۔

(۴) خدا کی قسم، ہم اہل جہاں کے لئے ٹھٹا مخول بن گئے ہیں، تم کب تک یہ مشغلہ جاری رکھنا چاہتے ہو کہ تم فلسفی دقیق کفریات نکالتے رہو تا کہ ہم اپنی عقل سے اُن کا رد کرتے رہیں، بندۂ خدا، تم نے فلاسفہ اور اُن کی کتابوں کا زہر کثرت سے نگلا ہے اور جب کثرت سے زہر کھایا جاتا ہے تو بدن اس کا عادی ہو جاتا ہے اور وہ زہر بدن میں چھپا رہتا ہے۔

(۵) آہ میرا شوق اُن پاک مجلسوں کا جن میں تدبر اور فہم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اور عاجزی وزاری کے ساتھ اللہ کی یاد اور نہایت خاموشی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغولیت رہا کرتی تھی، میں ایسی پاک مجلسوں کے واسطے آہیں بھرتا ہوں کہ جن میں ابرار کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ نیک بندوں کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، بہ خلاف اُن مجالس کے جہاں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر حقارت اور برائی سے کیا جائے، ایسی مجالس میں رحمتِ الٰہی نہیں نازل ہوتی۔

(۶) حجاج کی تلوار اور ابن حزم کی زبان ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے، تم نے ان دونوں کو اپنالیا۔ خدا کے واسطے تم ہم کو اور جمعرات۔ کے دن دانوں کے کھانے کی بدعت کو چھوڑو اور اس بدعت کی خبر لو، جس کو ہم گمراہیوں کی جڑ سمجھا کرتے تھے اور اب وہ خالص توحید اور سنت کی اساس قرار پاگئی ہے، اگر کسی کو اس کا علم نہ ہو، وہ کافر اور جو اس کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر اور اس کا کفر فرعون کے کفر سے زائد تر، اب تو نصاریٰ کو ہمارا مثل بنایا جارہا ہے۔

(۷) بہ خدا، میرے دل میں تمہاری طرف سے شکوک پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر تمہارا خاتمہ کلمۂ شہادت کے دو جملوں پر ہو جائے تو تمہاری سعادت ہے۔ ہائے بربادی اس شخص کی جو تمہاری پیروی کرے، کیوں کہ اُس نے اپنے کو زندقہ اور بے دینی کے واسطے پیش کر دیا۔ خاص کر وہ شخص جو دین کا بودا، علم کا بے مایہ، اپنی خواہشات کا بندہ اور اپنے کو بڑا بنانے کا شائق ہو۔ ایسا شخص اپنے ہاتھ سے اور اپنی زبان سے یقیناً تمہارا معاون رہیگا لیکن اپنے دل اور اپنے احوال سے تمہارا مخالف رہے گا۔ تمہارے ماننے والوں میں زیادہ تر، جی حضوری، نادان، جاہل، جھوٹے اور غبی افراد ہیں، یا پھر پردیسی، بڑے گھُنّے مکّار۔ یا خشک مزاج صالح ناسمجھ لوگ ہیں۔ اگر میری بات کا تم کو اعتبار نہ ہو، تو تم ان لوگوں کے احوال کی تفتیش کرو، انصاف سے ان کو دیکھو اور پرکھو۔

(۸) اے مسلمان۔ تمہارے نفس کی تعریف کے لئے خواہشات کا گدھا آگے بڑھ آیا ہے۔ تم کب تک اس کو سچّا سمجھتے ہوئے ابرار کی تحقیر کرو گے اور کب تک اس گدھے کو بڑھاتے اور اللہ کے نیک بندوں کو گھٹاتے رہو گے اور کب تک اس کو دوست رکھتے ہوئے زُہّاد سے نفرت کرتے رہو گے اور کب تک اپنے کلام کی ایسی تعریف کرتے رہو گے کہ قسم بہ خدا صحیحین کی حدیثوں کی اس طرح تعریف تم نہیں کرتے۔ اے کاش صحیحین کی حدیثیں تم سے محفوظ رہ جاتیں۔ تم ہر وقت ان کا ضعف ثابت کرنے اور ان کو بے قدر قرار دینے یا ان کی تاویل اور انکار کرنے میں لگے رہتے ہو۔

(۹) کیا تمہارے رجوع کرنے کا وقت اب تک نہیں آیا، کیا توبہ و انابت کرنے کی گھڑی اب تک نہیں پہنچی۔ تم ستر کے پیٹے میں آچکے ہو، سفر کا وقت سر پر آپہنچا ہے۔ بہ خدا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ تم موت کو کبھی یاد بھی نہ کرتے ہو گے بلکہ تم ہر اس شخص کا مذاق اڑاتے ہو گے جو موت کو یاد کرتا ہو گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم میری بات قبول کرو گے یا میری نصیحت پر کان دھرو گے کیوں کہ تم بڑے باہمت ہو۔ تم میری اس تحریر کے رد میں جو کہ ایک ورق کی ہے، مجلّدات لکھ سکتے ہو بلکہ تم مجھ پر اس وقت تک گرجتے برستے رہو گے کہ میں چلّا نہ اٹھوں، میں ہارا۔ جب مجھ جیسے شخص کی نظریں جو کہ تمہارا چاہنے والا اور سچّا مشفق ہے، تمہاری یہ حالت ہو تو پھر دشمنوں کی نظر میں تمہاری کیا حالت ہوگی۔ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں میں عقلمند اور فضیلت والے افراد بھی ہیں جیسا کہ تمہارے حمایتیوں میں فاجر، مکّار،

جھوٹے، جاہل، ناقص بلکہ گاؤ وخر تک موجود ہیں۔

(۱۰) میں تم سے اس بات پر راضی ہوں کہ تم لوگوں کے سامنے مجھ کو بُرا کہو، گالیاں دو لیکن در پردہ تم میری بات سے فائدہ اٹھالو۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل کرے جو میرے عیبوں کو مجھ پر ظاہر کردے۔ میں بڑا ہی گنہگار اور پُراز عیوب ہوں۔ اگر میں توبہ نہ کروں میری بربادی اور ہلاکت یقینی ہے۔ ہائے افسوس۔ عَلّام الغیوب کے سامنے میری رسوائی پر۔ میری دوا، صرف اُس کا عفو وکرم اور اس کی توفیق اور ہدایت ہے۔ ساری تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے وہ ہمارے آقا محمد خاتم النبیین پر اور آپ کی آل و اصحاب پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے"۔

خلاصہ: امام ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحریرات کا خلاصہ۔

ذہبی نے لکھا ہے۔ مجھ کو اصلی اور فرعی (عقائد اور فقہی) مسائل میں ابن تیمیہ سے اختلاف ہے مباحثہ میں غیظ وغضب کرتے تھے۔ گرفت ان کے اخلاق اور افعال پر کی جاتی تھی، ان میں کبر اور عُجب تھا، ریاست مشیخت کے شائق تھے۔ بڑے علماء کی تحقیر کرتے تھے۔ دوسروں کے عیوب کو تلاش کرتے تھے، احادیثِ ثابتہ کو رد کرتے تھے، فلسفہ میں انہماک تھا، لوگوں نے ان کی تحقیر کی اور ان کو گمراہ قرار دیا۔

ذہبی نے کہا ہے۔ جب کہ مجھ جیسے مخلص اور بہی خواہ کی نظر میں ان کی یہ کیفیت ہے تو مخالفوں کی نظر میں کیا کیفیت ہوگی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، شارح بخاری نے درر کامنہ میں لکھا ہے۔

ابن تیمیہ کو گھمنڈ ہوگیا تھا۔ علماء پر رد کرتے تھے۔ حضرت عمر پر بھی رد کیا ہے۔ حضرت علی پر بھی رد کیا ہے۔ ان میں حنبلیّت کا تعصب تھا۔ اشاعرہ پر ردّ و قدح کرتے تھے، امام غزالی کو گالی دی۔ حدیث نزول کے بیان کے وقت منبر پر سے دو سیڑھی اترے۔ مباحثہ میں کج بحثی کیا کرتے تھے۔ امامتِ کبریٰ حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔

علامہ ذہبی نے علامہ ابن تیمیہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، مدح وستائش ہو یا تنقید و مؤاخذہ خود دیکھ کر اور سمجھ کر لکھا ہے۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے جو بھی لکھا ہے علماء کرام کی تالیفات سے لیا ہے اور وہ تالیفات ان کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔

امام فخر الدین رازی کو بُرا کہنا

امام رازی کے پوتے شیخ محمد کے دو گرامی قدر صاحبزادوں کے حال میں عَلّامہ ابنِ عماد حنبلی نے لکھا ہے [۱]

نَاظَرَ التَّقِیَّ الدِّیْنَ اِبْنَ تَیْمِیَّۃَ وَظَهَرَ عَلَیْهِ وَکَانَ ذٰلِكَ مِنْ اَسْبَابِ مِحْنَتِهٖ وَکَانَ شَدِیْدَ الْاِنْکَارِ عَلَی الْاِمَامِ فَخْرِ الدِّیْنِ ۔ حَدَّثَنِیْ شَیْخِیْ الْعَلَّامَۃُ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَیْلِیْ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ

---

[۱] ملاحظہ کریں شذرات الذہب ج۔ ۶ ص ۱۳۳۔

بنَ اِبْرَاهِیْمَ الزَّنْوُرِیّ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ اِبْنَ تَیْمِیَۃ یَنْشُدُ لِنَفْسِہٖ۔

مُحَصَّلٌ فِیْ اُصُوْلِ الدِّیْنِ حَاصِلُہٗ   مِنْ بَعْدِ تَحْصِیْلِہٖ عِلْمٌ بِلَا دِیْنِ

اَصْلُ الضَّلَالَۃِ وَالْاِفْکِ الْمُبِیْنِ فَمَا   فِیْہِ فَاَکْثَرُہٗ وَحْیُ الشَّیَاطِیْنِ

قَالَ وَکَانَ فِیْ یَدِہٖ قَضِیْبٌ فَقَالَ "وَاللّٰہِ لَوْرَأَیْتُہٗ لَضَرَبْتُہٗ بِھٰذَا الْقَضِیْبِ"

(علامہ ابوزید عبدالرحمٰن اور علامہ ابوموسیٰ عیسیٰ فرزندان محمد) نے ابن تیمیہ سے مناظرہ کیا اور یہ دونوں بھائی ابن تیمیہ پر غالب آئے۔ اور یہ واقعہ ابن تیمیہ کے اسبابِ محن میں سے ایک سبب ہوا۔

ابن تیمیہ امام رازی پر شدت سے انکار کیا کرتے تھے۔ میرے شیخ علامہ ابوعبداللہ ایلی نے مجھ سے بیان کیا کہ عبداللہ بن ابراہیم زنوری نے ان سے بیان کیا کہ ابن تیمیہ نے میرے سامنے اپنے یہ دو شعر پڑھے۔

(۱) اصول دین میں محصّل کو پڑھنے کے بعد یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ اس کتاب کا علم بغیر دین کے ہے۔

(۲) یہ کتاب گمراہی اور خالص جھوٹ کی اساس ہے۔ اور اس کا بیشتر حصّہ شیاطین کی وحی ہے۔

زنوری نے یہ بھی کہا کہ اس وقت ابن تیمیہ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ انھوں نے خدا کی قسم کھا کر یہ بات کہی۔ "اگر میں ان کو (امام فخرالدین کو) دیکھ لیتا۔ اس چھڑی سے ان کو مارتا۔"

حضرت شیخ اکبر کو شیطان کا خطاب

ڈاکٹر مولوی محمد یوسف کوکنی نے لکھا ہے۔ لہ

"یہاں ایک بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ امام موصوف حق بات کے ظاہر کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربی، امام غزالی اور امام رازی سے ان کو سخت اختلاف تھا۔ وحدۃ الوجود کے مسئلے میں تو وہ اس شدت سے ابن عربی کے مخالف تھے کہ وہ ان کو "اس امّت کا شیطان" لکھتے تھے اور یہی سختی اس زمانے کے شخصیت پرست لوگوں کو بے حد ناگوار گزرتی تھی۔ شیخ شمس الدین ذہبی کا یہ فقرہ "خودسری و خودنمائی، بڑا بننے اور بڑوں کو گرانے کی خواہش" اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اس شدت میں بھی نفسانیت کو کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ یہ اظہارِ حق میں غلو کا ایک نتیجہ تھا۔"

کوکنی صاحب نے "اس امّت کا شیطان" پر حاشیہ میں "تفسیر سورۂ اخلاص" کا حوالہ دیا ہے یہ تفسیر علامہ ابن تیمیہ کی تالیف ہے۔

شیخ صدرالدین قونوی، شیخ عفیف تلمسانی، شیخ ابن سبعین کو بُرا کہنا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تحریر فرمایا ہے۔ ۵۲

"پھر صدر رومی (علامہ صدرالدین قونوی) کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ھُوَ اَبْعَدُ عَنِ الشَّرِیْعَۃِ

لہ ملاحظہ کریں امام ابن تیمیہ ص۶۱۵۔ ۵۲ ملاحظہ کریں تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم ص۶۵

وَالْاِسْلَامِ (وہ شریعت اور اسلام سے زیادہ دور ہیں) اس کے بعد تلمسانی اور ابن سبعین کی پر زور تردید کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ناراض تلمسانی سے ہیں جن کے متعلق حمیت دینی میں ان کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے ہیں۔ وَاَمَّا الْفَاجِرُ التَّلْمَسَانِیُ فَهُوَ اَخْبَثُ الْقَوْمِ وَاَعْمَقُهُمْ فِی الْکُفْرِ۔ الخ۔ باقی رہا۔ تلمسانی فاسق تو اس گروہ میں اس کی خباثت سب سے بڑھی ہوئی تھی اور کفر میں وہ سب سے گہرا ہے۔"

حمیّتِ دین اور اظہارِ حق

علامہ ابن تیمیہ نے دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے ائمہ کرام اور اولیائے عظام کو دل کھول کر گالیاں دی ہیں، کسی کو شیطان امّت کا خطاب دیا ہے، کسی کو اخبث القوم (اپنی جماعت میں زیادہ خبیث) سے یاد کیا ہے اور کسی کو "اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیَآئِهِمْ" (شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے) کا مصداق بناکر سر پھاڑنے کی تمنا کی۔ امام ذہبی اور صلحائے امت کو اس حرام فعل سے رنج ہوا، کوئی صاحب نے ان سب کو شخصیّت پرست قرار دے دیا۔ ان کے نزدیک اس حرام فعل کا نام حمیّت دین اور اظہار حق ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح اظہار حق کرنا صرف علامہ ابن تیمیہ کے واسطے دین کی حمیت ہے یا یہ حکم سب کے واسطے ہے۔ اگر اس حمیت کے تحت کسی مسلمان کو قتل کر دیا جائے۔ قصاص ہوگا یا نہیں۔

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکرمہ فرزند ابوجہل کے اسلام لانے سے کچھ پہلے فرمایا۔ "عکرمہ ایمان لانے والے ہیں۔ تم ان کے والد کو گالیاں نہ دو۔ میت کو گالی دینے سے میّت کو تکلیف نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کے رشتہ داروں کو تکلیف ہوتی ہے۔" اسلام کے سب سے بڑے دشمن کے متعلق حضرت رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے، چہ جائے اولیائے کرام اور ائمہ عظام۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ "بلا اپنے رب کی راہ پر، پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت کر کر اچھی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔" علّامہ ابن تیمیہ نے نہ ارشاد نبوی عَلٰی صَاحِبِهِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّةُ پر عمل کیا اور نہ فرمان خداوندی پر لہٰذا جو دوست تھے وہ بھی ان سے الگ ہوگئے۔ امام ذہبی جیسا مخلص بھی برگشتہ ہوگیا۔ اگر علامہ ابن تیمیہ کا عمل ارشادات مبارکہ پر ہوتا تو "فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ" کا ظہور ہوتا۔ (ترجمہ: پھر جو تو دیکھے، تو جس میں اور تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ناتے والا) جو دشمن تھے وہ بھی دوست بن جاتے۔

مجھ کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے اتباع اور طرفدار اُن کے اس شنیع اور حرام فعل کو جامۂ حُسن پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حرام اور منکر تو بُرا ہی رہے گا، چاہے کوئی کچھ ہی کرے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی کا بیان

علامہ ابن تیمیہ نے رطب و یابس جو بھی سنا اسی کی بنا پر تضلیل و تکفیر کردی۔ ابن عماد نے علامہ مناوی کا بیان نقل کیا ہے انھوں نے پہلے قبائح کا ذکر کیا ہے اور آخیر میں لکھا ہے [1]

وَاَکْثَرُوْا مِنْ نَقْلِ ھٰذَا الْھَذَیَانِ فِیْ شَانِہٖ (عفیف الدین التلمسانی) وَشَانِ شَیْخِہٖ (ابن سبعین) وَشَیْخِ شَیْخِہٖ (علامہ صدرالدین قونوی) وَلَمْ یَثْبُتْ عَنْھُمْ شَیْءٌ مِنْ ذٰلِكَ بِطَرِیْقٍ مُعْتَبَرٍ، نَعَمْ ھُمْ قَائِلُوْنَ بِاَنَّ وَاجِبَ الْوُجُوْدِ ھُوَالْوُجُوْدُ الْمُطْلَقُ وَمَبْنٰی طَرِیْقِھِمْ عَلٰی ذٰلِكَ۔ اِنْتَھٰی کَلَامُ الْمَنَاوِیْ مُلَخَّصًا۔

وَقَالَ غَیْرُہٗ لَہٗ عِدَّۃُ تَصَانِیْفَ مِنْھَا شَرْحُ اَسْمَاءِ اللہِ الْحُسْنٰی، وَشَرْحُ مَوَاقِفِ النَّفَرِیِّ وَشَرْحُ الْفُصُوْصِ وَغَیْرُ ذٰلِكَ وَلَہٗ دِیْوَانُ شِعْرٍ۔

وَقَالَ الشَّیْخُ بُرْھَانُ الدِّیْنِ بْنُ الْفَاشُوْشَۃِ الْکُتُبِیْ۔ دَخَلْتُ عَلَیْہِ یَوْمَ مَاتَ فَقُلْتُ لَہٗ کَیْفَ حَالُكَ قَالَ بِخَیْرٍ مَنْ عَرَفَ اللہَ کَیْفَ یَخَافُ وَاللہِ مُذْ عَرَفْتُہٗ مَاخِفْتُہٗ وَاَنَا فَرْحَانٌ بِلِقَائِہٖ۔

عفیف الدین تلمسانی، اور ان کے پیر ابن سبعین اور پیر کے پیر صدرالدین قونوی کی شان میں اس قسم کی بکواس بہ کثرت نقل کی ہے (مثلاً ماں سے، بیٹی سے نکاح کرنا) لیکن ان لوگوں سے اس قسم کی کوئی ایک بات بھی معتبر طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ ہاں، یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ وجودِ مطلق ہی واجب الوجود ہے اور ان کے طریقہ کی اساس اسی پر ہے۔ مناوی کا کلام بہ صورت اختصار تمام ہوا۔

اور دوسرے نے کہا ہے۔ عفیف الدین کی کئی تصنیفات ہیں، ایک شرح اسماء اللہ الحسنیٰ ہے، ایک مواقف نفری کی شرح۔ ایک فصوص الحکم کی شرح۔ اور ان کے علاوہ اور کتابیں ہیں اور ایک دیوان شعر ہے۔

شیخ برہان الدین پسر فاشوشہ کتبی نے بیان کیا ہے کہ میں اس دن تلمسانی کے پاس گیا جس دن اُن کی وفات ہوئی ہے، میں نے ان سے کہا۔ تمہارا کیا حال ہے۔ انھوں نے کہا۔ خیر سے ہوں، جو اللہ کو پہچان لے وہ کیوں ڈرے۔ قسم ہے اللہ کی۔ جب سے مجھ کو اللہ کی معرفت حاصل ہوئی ہے، میں اس سے نہیں ڈرا ہوں۔ اور میں اس کی لقا سے شادان ہوں۔

مولائے رحیم و کریم کا یہ عاشقِ صادق، دنیوی زندگانی کو حجاب اور پردہ سمجھ رہا ہے اور اس گھڑی کا منتظر ہے کہ صدائے یَااَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً کب سننے میں آتی ہے، یعنی کب۔ "اے جی، چین پکڑے۔ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اُس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔" یہ محبت بھرا پیارا پیام سننے میں آتا ہے، اور وہ

---

[1] ملاحظہ کریں شذرات الذہب ج ۵ ص ۴۱۲

من شوم عریاں زتن اُوازخیال   تاخرامم در نہایات الوصال

میں اس جسدِی لباس اور خاکی لبادے سے آزاد ہوتا ہوں اور میرا محبوب خیالات کی دنیا سے نکل کر حقیقت کا موقف اختیار کرتا ہے تاکہ میں وصال کی آخری منازل طے کروں۔

جس شخص کی یہ حالت ہو اس کو اقوال کا ذبہ اور مزعومات باطلہ کی بنا پر بُرا کہنا کب جائز ہے۔ کیا امام ذہبی نے رسالہ زغل العلم میں علامہ ابن تیمیہ کے متعلق دجّال، اَفّاک، کافر جیسے الفاظ نہیں نقل کئے ہیں۔ کیا ان الفاظ کی وجہ سے کوئی شخص علامہ ابن تیمیہ کو دجال و کافر کہے گا۔ اور کیا کوئی صاحبِ علم اس فعل کو اچھا کہے گا۔

علماء کی تحقیر

جب انتقال کئے ہوئے اکابر کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ کا یہ طریقہ تھا تو پھر اپنے ہمعصر علماء کے ساتھ جو بھی رہا ہو وہ کم ہے۔ استاذ ابوزہرہ نے قاضی اخنائی کے متعلق لکھا ہے [۱] "اِسْتَجْهَلَهٗ وَقَالَ اِنَّهٗ قَلِيْلُ الْبِضَاعَةِ فِي الْعِلْمِ۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان کو جاہل قرار دیا اور کہا کہ ان کا علم کم ہے۔ چوں کہ مسئلہ زیارت قبور میں قاضی صاحب نے ابن تیمیہ کے مسلک کا رد کیا ہے اور ابن تیمیہ نے ان کے رد کا جواب لکھا ہے اس لئے انھوں نے قاضی صاحب کو یہ خطاب دیا۔

علامہ ابن تیمیہ کے زمانہ میں علماء اعلام میں سے ایک فرد کامل و معمر شیخ صفی الدین ہندی تھے علامہ ابن عماد نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے [۲]

"اَلْعَلَّامَةُ شَيْخُ الشُّيُوْخِ صَفِيُّ الدِّيْنِ اَبُوْعَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْاَرْمَوِيُّ الْهِنْدِيُّ الشَّافِعِيُّ الْمُتَكَلِّمُ عَلٰى مَذْهَبِ الْاَشْعَرِيِّ" اور چند سطر کے بعد لکھا ہے۔ "قَالَ السُّبْكِيُّ كَانَ مِنْ اَعْلَمِ النَّاسِ بِمَذْهَبِ الشَّيْخِ اَبِي الْحَسَنِ وَاَدْرَاهُمْ بِاَسْرَارِهٖ مُتَضَلِّعًا بِالْاَصْلَيْنِ"

علامہ حافظ تقی الدین سبکی شافعی نے استاذ الاساتذہ علامہ صفی الدین ہندی شافعی کے متعلق کہا۔ امام ابوالحسن اشعری کے مذہب کو سب سے زیادہ جاننے والے اور اس کے اسرار کو سب سے بہتر سمجھنے والے اور دونوں اصلوں میں کامل مہارت رکھنے والے تھے۔

بادشاہ نے علامہ ابن تیمیہ کو اُن کے بعض فتاوی کے سلسلہ میں ۷۰۵ھ میں دمشق سے مصر طلب کیا اور وہاں علماء کی ایک جماعت مقرر کی تاکہ وہ ابن تیمیہ سے جواب طلب کرے۔ کئی دن تک یہ جماعت ابن تیمیہ سے مناقشہ کرتی رہی۔ ایک دن علامہ صفی الدین اسی جماعت کے صدر تھے۔ دورانِ مناقشہ میں صفی الدین نے دیکھا کہ ابن تیمیہ کسی ایک بات پر جمتے نہیں ہیں۔ انھوں نے ابن تیمیہ سے کہا [۳] "اَنْتَ مِثْلُ الْعُصْفُوْرِ تَنُطُّ مِنْ هُنَا اِلٰى هُنَا وَمِنْ هُنَا اِلٰى هُنَا" تم چڑیے کی طرح یہاں سے وہاں، وہاں سے

---

[۱] کتاب ابن تیمیہ ص ۱۰۷ [۲] شذرات الذہب ج ۶ ص ۳۷ [۳] ملاحظہ کریں درر کامنہ ج ۴ ص ۱۵

یہاں پھدکتے رہتے ہو۔" یعنی ایک بات پر جمتے نہیں ہو۔ ابن تیمیہ نے اس مناقشہ کو قلمبند کیا ہے اور استاد محمد بہجت بیطار دمشقی نے اپنی کتاب میں اس کو نقل کیا ہے شیخ المشائخ علامہ صفی الدین کے متعلق ابن تیمیہ نے یہ الفاظ لکھے ہیں[۵۱] وَقَالَ الشَّيْخُ الْكَبِيْرُ بِجُبَّتِهٖ وَرِدَائِهٖ "اپنے جبہ اور ردا سے بڑے شیخ نے کہا)۔

چوں کہ علامہ صفی الدین کی ضعیفی اور کلاں سالی کا دور تھا، وہ جبہ اور چادر پہنے ہوئے تھے اس لئے ابن تیمیہ نے اس طریقہ سے اُن پر طنز کیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۵۲] مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق نہ پہچانے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔

وہ افراد جو علامہ ابن تیمیہ کی بدگوئی اور سخت کلامی کو دین کی حمیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس استہزا اور استخفاف کو کیا کہیں گے اور کیا اس طریقہ کا ناپسند کرنے والا شخصیت پرست کہلائے گا۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس مناظرہ میں یہ بھی لکھا ہے[۵۳] "وَقُلْتُ اَيْضًا كُلُّ مَنْ خَالَفَنِيْ فِيْ شَيْءٍ مِمَّا كَتَبْتُهٗ فَاَنَا اَعْلَمُ بِمَذْهَبِهٖ مِنْهُ" اور میں نے یہ بات بھی کہی۔ جو بھی میری تحریر میں میری مخالفت کرے گا۔ میں اس کے مذہب کو اس سے بہتر جانتا ہوں۔

علامہ ذہبی نے "النصیحۃ الذہبیۃ" میں "اِلٰى كَمْ تَمْدَحُ نَفْسَكَ وَشَقَاشِقَكَ وَعِبَارَاتِكَ وَتَذُمُّ الْعُلَمَاءَ" اور "لَا عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ يَذْكُرُوْنَ بِالْاِزْدِرَاءِ" سے ان ہی قباحتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ "کب تک اپنے نفس اور اپنی لن ترانیوں اور تحریروں کی مدّاحی میں مصروف رہو گے اور علماء کی مذمت کرتے رہو گے" اور "بہ خلاف اُن مجالس کے جہاں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر حقارت اور بُرائی سے کیا جائے۔"

مولانا آزاد کا بیان

مولانا آزاد نے رسالہ ردِّ وافر، قول جلی اور کواکب دُرّیہ کا دقیق نظر سے مطالعہ کیا ہے اور پھر والہانہ انداز میں علامہ ابن تیمیہ کی جلالتِ قدر کا بیان کیا ہے اور اس سلسلہ میں لکھا ہے۔[۵۴]

"تعجب ہے کہ بعض اصحابِ درس و تصنیف کو بھی عجب عجب لغزشیں ہوئیں۔ مولانا عبدالحکیم مرحوم فرنگی محلی حاشیۂ شرح عقائد جلالی میں اجزائے عالم کے قدم شخصی وجنسی اور موجودیت بعض افراد علی سبیل التعاقب کی شرح کرتے ہوئے عقیدۂ جہت و تجسم کو ابن تیمیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آخر میں حوالہ دیتے ہیں کہ ابن حجر نے "درر کامنہ" اور ذہبی نے تاریخ میں ان کے ہفوات کا خوب رد

---

۵۱ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص۳۲ ۵۲ ملاحظہ کریں سیوطی کی الجامع الصغیر
۵۳ بیطار کی کتاب ص۳۱ ۵۴ ملاحظہ کریں تذکرہ ص۲۵۱

کیا ہے۔ پہلی بات توچنداں تعجب انگیز نہیں، عقائد و علوم ابن تیمیہ کی نسبت ابتدا سے غلط فہمی چلی آتی ہے۔ اس لئے جو کچھ لکھا، جوہرالمنظم اور مرآۃ الجنان وغیرہ کے اعتماد پر، لیکن ابن حجر و ذہبی کا حوالہ کس قدر تعجب انگیز ہے۔ ان دونوں کے بیانات اوپر گزر چکے۔ ان میں ابن تیمیہ کے ہفوات کا ذکر ہے یا اعلیٰ ترین مرتبہ حق و امانت کا۔ مقصود اس ذکر سے نکتہ چینی نہیں ہے، غلطیاں سب سے ہوتی ہیں دکھلانا یہ ہے کہ ہندوستان میں ابتدا سے مطالعہ و نظر کا میدان بہت محدود رہا ہے، اسی لئے عجیب عجیب لغزشیں ہوتی رہیں۔"

اور مولانا آزاد نے اسی تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے [1]

"الردالوافر پر مصر و شام کے مشاہیر علماء و ائمۂ عصر نے تقریظیں لکھی ہیں۔ ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور قاضی عینی حنفی شارح بخاری بھی ہیں۔ قاضی عینی لکھتے ہیں کہ جو شخص ابن تیمیہ کے مراتب عالیہ علم و عمل و اجتہاد و امامت سے انکار کرتا ہے وہ یا تو مجنون لایعقل ہے یا کمال سفیہ و بلید یا سخت شریر و مفسد۔ حافظ عسقلانی کی رائے اس تفریظ پر موقوف نہیں، ان کی شیفتگی و ارادت کا جو حال ہے وہ درر کامنہ سے ظاہر ہوتا ہے جس میں نہایت شرح و بسط سے ترجمہ لکھا ہے اور معاصرین کی شہادتیں ان کے فضل و کمال مخصوص پر جمع کی ہیں۔"

رسالۂ رد وافر کی مدائح اور ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی تقریظات کا اثر مولانا آزاد پر اتنا ہوا ہے کہ ابن حجر کی درر کامنہ کی ساری عبارت مدح و ثنا ہی نظر آئی ہے۔ حالاں کہ رسالہ ردالوافر اور اس کی تقریظ کی وجہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ظاہر کردی ہے، وہ لکھتے ہیں [2]

والحاصل انہم الزموا بتحریم شد الرجل الی زیارۃ قبر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانکرنا صورۃ ذلک وفی شرح ذلک من الطرفین طول وھی من ابشع المسائل المنقولۃ عن ابن التیمیۃ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان لوگوں نے ابن تیمیہ کے اس قول کی وجہ سے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم کی زیارت کے لئے سفر کرنا حرام ہے، اس حکم کو لازم کیا ہے اور ہم نے اس کی صورت ناپسند کی ہے طرفین کے اقوال کا بیان کرنا باعث طوالت ہے۔ ابن تیمیہ سے نقل کئے ہوئے مسائل میں یہ مسئلہ ابشع ہے۔

منتہی الارب میں ابشع کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔

طعام بدمزہ، حلق سوز وکسے کہ چنیں طعام خوردہ وآں کہ از دہنش بوئے بد آید، از ناکردن خلال و مسواک۔

یعنی ابن تیمیہ سے منقول مسائل میں یہ نہایت برا اور ایذا رساں مسئلہ ہے۔ مع ہذا جن علماء نے اس

---

[1] ملاحظہ کریں ص۱۷۱

[2] ملاحظہ کریں فتح الباری کی تیسری جلد کے صفحہ ۵۳ کو

مسئلہ کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر کی ہے ہم نے ان کے فعل کو بھی ناپسند کیا ہے۔ رسالہ ردوافر کی تقریظ لکھنے کی وجہ سے غلط مسائل کی غلطی زائل نہیں ہوسکتی۔ دُرَر کامِنہ میں ابن حجر نے حقیقت واضح کردی ہے کہ ابن تیمیہ ایک جلیل القدر عالم تھے، البتہ ان میں اخلاقی کمزوریاں تھیں، بعض مسائل میں ان سے لغزش ہوئی ہے، عقائد کے بعض مسائل میں ان کا مسلک جمہور کے مسلک سے ہٹا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مطعون ہوئے ہیں۔

اب اس دور کے وہ افراد جو ابن تیمیہ کے مسلک پر ہیں تحقیقات کے دفاتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور ابن تیمیہ کے مسائل کی حمایت کرتے ہیں، یہ افراد کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ کا مصداق بنے ہیں یعنی نئی بات میں لذت ہے ورنہ کہاں ائمہ اعلام کی تحقیق و تدقیق اور کہاں ان افراد کی قیل وقال۔

علامہ ابن الوردی

علامہ ابوحفص عمر زین الدین بن مظفر شافعی معروف بہ ابن الوردی، علامہ ابن تیمیہ کے گرویدگان میں سے تھے، انھوں نے ابن تیمیہ کی وفات پر قصیدہ طائیہ لکھا ہے جو کہ کواکب دُرِّیہ میں ہے اور نواب سید صدیق حسن خان نے ابجد العلوم میں نقل کیا ہے[1] نواب صدیق حسن خان نے ابن الوردی کی تاریخ سے ابن تیمیہ کا کچھ حال نقل کیا ہے[2] اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے۔

هُوَ اَكْبَرُ مِنْ اَنْ يُّنَبِّهَ مِثْلِيْ عَلٰى نُعُوْتِهٖ فَلَوْ حَلَفْتُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ لَحَلَفْتُهٗ اِنِّيْ مَا رَاَيْتُ بِعَيْنِيْ مِثْلَهٗ وَلَا رَاٰى هُوَ مِثْلَ نَفْسِهٖ فِى الْعِلْمِ وَكَانَ فِيْهِ قِلَّةُ مُدَارَاةٍ وَعَدَمُ تَوَدُّةٍ غَالِبًا وَلَمْ يَكُنْ مِنْ رِجَالِ الدُّوَلِ وَلَا يَسْلُكُ مَعَهُمْ تِلْكَ النَّوَامِيْسَ وَاَعَانَ اَعْدَاءَهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ بِدُخُوْلِهٖ فِيْ مَسَائِلَ كِبَارٍ لَا يَحْتَمِلُهَا عُقُوْلُ اَبْنَاءِ زَمَانِنَا وَلَا عُلُوْمُهُمْ كَمَسْاَلَةِ التَّكْفِيْرِ فِى الْحَلْفِ بِالطَّلَاقِ وَمَسْاَلَةِ اَنَّ الطَّلَاقَ بِالثَّلَاثِ لَا يَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةً وَاَنَّ الطَّلَاقَ فِى الْحَيْضِ لَا يَقَعُ وَسَاسَ نَفْسَهٗ سِيَاسَةً عَجِيْبَةً، فَحُبِسَ مَرَّاتٍ بِمِصْرَ وَدِمَشْقَ وَالْاِسْكَنْدَرِيَّةِ وَارْتَفَعَ وَانْخَفَضَ وَاسْتَبَدَّ بِرَاْيِهٖ وَعَسٰى اَنْ يَكُوْنَ ذٰلِكَ كَفَّارَةً لَهٗ۔

”اُن کا مقام اس سے برتر ہے کہ مجھ جیسا شخص اُن کے اوصاف بیان کرے۔ اگر میں رُکنِ (اسود) اور مقام (ابراہیم) کے درمیان حلف اٹھا کر یہ کہنا چاہوں کہ میری آنکھ نے اُن سا اور خود انھوں نے اپنا سا علم میں نہیں دیکھا تو کہہ سکتا ہوں، اُن میں مدارات کی کمی تھی اور بے احتیاطی ان پر غالب تھی، وہ نہ حکومت کے افراد میں سے تھے اور نہ ان کے طریقوں کو برتتے تھے، وہ ایسے بڑے مسائل میں پڑے کہ جن کو ہمارے زمانہ کے افراد کی عقل اور ان کا علم برداشت نہیں کرسکا۔ انھوں نے اس طرح اپنے دشمنوں کی اپنے اوپر مدد کی، جیسے حلف بالطلاق کی تکفیر اور تین طلاق سے ایک طلاق اور حیض کی حالت میں طلاق

---

[1] ص۸۱۹، ص۸۲۰ میں۔ [2] ابجد العلوم کے ص۸۱۸ میں۔

کا مثل ہے۔ انھوں نے عجب روش اختیار کی۔ مصر، دمشق اور اسکندریہ میں کئی مرتبہ قید ہوئے، وہ ابھرے بھی، اور گرے بھی۔ اور اپنی رائے پر اڑے رہے۔ شاید یہ ان کا کفّارہ ہو جائے۔"

ابن وردی کی اس تحریر کو خیال سے پڑھا جائے، انھوں نے ابن تیمیہ کا مثل نہ دیکھنے کے ساتھ "فِی الْعِلْمِ" کی قید لگا دی ہے یعنی علم میں ان کا مثل نہیں دیکھا، اور آخر میں انھوں نے ابن تیمیہ کے استبدادِ رائے کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ شاید یہ بند و قید ان کا کفّارہ ہو جائے۔

یعنی ابن تیمیہ سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ شاید یہ قید و بند کی تکالیف ان کا کفّارہ ہو جائیں۔ یہی بات علامہ ذہبی نے "زَغَلُ الْعِلْمِ وَالطَّلَبِ" میں کہی ہے کہ "جن تکلیفوں سے اللہ نے ان کو اور ان کے پیروان کو بچایا ہے۔ وہ بہت ہیں بہ نسبت ان تکلیفوں کے جو اُن پر نازل ہوئی ہیں۔"

حافظ ابن کثیر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابراہیم بن محمد بن ابی بکر بن ایوب بن قیم الجوزیہ کے ترجمہ میں لکھا ہے [۱]

" علامہ ابراہیم کے نوادرات میں سے یہ واقعہ ہے کہ ان کے اور حافظ عماد الدین ابن کثیر کے مابین تدریس کے سلسلہ میں منازعت ہوئی، ابن کثیر نے ابراہیم سے کہا۔ تم مجھ کو اس وجہ سے ناپسند کرتے ہو کہ میں اشعری ہوں (یعنی عقائد میں امام ابوالحسن اشعری امام اہل سنت و جماعت کا پیرو ہوں) ابراہیم نے اُن سے کہا لَوْ کَانَ مِنْ رَاسِكَ اِلٰی قَدَمِكَ شَعْرٌ مَّا صَدَّقَكَ النَّاسُ فِیْ قَوْلِكَ اَنَّكَ اَشْعَرِیٌّ وَشَیْخُكَ اِبْنُ تَیْمِیَّةَ اگر تمہارے جسم پر سر سے پیر تک بال ہوں تب بھی اس بات میں لوگ تمہاری تصدیق نہیں کریں گے کہ تم اشعری ہو، جب کہ تمہارے استاد ابن تیمیہ ہیں۔

واضح رہے کہ علامہ ابراہیم حنبلی تھے۔ اور حنبلیوں میں بیشتر اشعری نہیں ہیں۔ چوں کہ زیادہ بالوں والے کو بھی اشعری کہتے ہیں اس مناسبت سے ابراہیم نے یہ بات ابن کثیر سے کہی۔

حافظ ابن حجر نے حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر کے ترجمہ میں لکھا ہے [۲]

"وَاَخَذَ عَنِ ابْنِ تَیْمِیَّةَ فَفُتِنَ بِحُبِّهٖ وَامْتُحِنَ لِسَبَبِهٖ" ابن کثیر نے ابن تیمیہ سے علم حاصل کیا اور اُن کی محبت میں گرفتار ہوئے اور بنا بریں وہ آزمائش میں پڑے۔"

یہی حافظ عماد الدین ابوالفداء ابن کثیر اپنے استاد علامہ ابن تیمیہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ [۳]

وَبِالْجُمْلَةِ كَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مِنْ كِبَارِ الْعُلَمَاءِ وَمِمَّنْ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ وَلٰكِنْ خَطَؤُهٗ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی صَوَابِهٖ كَنُقْطَةٍ فِیْ بَحْرٍ لُجِّیٍّ، وَخَطَؤُهٗ اَیْضًا مَغْفُوْرٌ لَهٗ كَمَا فِیْ صَحِیْحِ الْبُخَارِیِّ "اِذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ" فَهُوَ مَاْجُوْرٌ۔ وَقَالَ الْاِمَامُ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ۔ كُلُّ اَحَدٍ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَيُتْرَكُ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔

---

[۱] درر کامنہ ج ۱ ص ۵۸ [۲] الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۳۷۴ [۳] ملاحظہ کریں تاریخ البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۱۳۹ و ۱۴۰

"اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن تیمیہ گرامی قدر علماء میں سے اور ان افراد میں سے تھے کہ کبھی خطا پر اور کبھی صواب پر رہے۔ ان کی خطا ان کے صواب کے مقابلہ میں ایسی تھی جیسے ایک قطرہ سمندر کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور ان کی خطا بھی معاف ہے، کیوں کہ صحیح بخاری میں ہے۔ "حاکم جب اجتہاد کرے اور وہ صواب پر رہے تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر وہ خطا پر رہے تو ایک اجر ہے۔" بنا بریں وہ ماجور ہیں۔ امام مالک نے کہا ہے۔ ہر ایک کی مقبولیت اور نامقبولیت اس کے اپنے قول کی بنا پر ہوتی۔ بہ جُزِ اس مبارک قبر والے کے۔"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کا ہر قول صواب اور درست اور مُطَاع ہے۔ یہ بات کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔

علامہ حافظ ابن کثیر نے اس مختصر عبارت میں اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ وہ علماء کبار میں سے تھے، ان سے خطا بھی ہوئی ہے اور صواب پر بھی رہے ہیں۔ اور حضرت امام مالک کا قول نقل کر کے ظاہر کر دیا کہ جو کچھ ان کو پیش آیا زبان کی وجہ سے ہوا۔

علامہ ابن کثیر نے صحیح بخاری کی جس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے اس کا تعلق مسائل اور استنباط سے ہے۔ سب وشتم سے نہیں ہے۔ عالم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی کے قول سے کفر کا اثبات کر دے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ اس بات سے کفر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو گالی دے یا کسی کو شیطان کہے۔ ان امور میں حقوق العباد کا شمول ہو گیا ہے اور ان پر مواخذہ ہے۔ حمیت دین کا نام رکھ دینے سے ان کی شناعت اور قباحت زائل نہیں ہو سکتی۔

علامہ ابن جہبل

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن یحییٰ معروف بہ ابن جہبل شافعی، حلبی، دمشقی متوفی ۷۳۳ھ نے علامہ ابن تیمیہ کی تحریر کا رد لکھا ہے۔ اس رسالہ کا نام الرد علی ابن تیمیہ فی خبر الجہۃ ہے۔ اس رسالہ کو علامہ تاج الدین ابو نصر عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی متوفی ۷۷۱ھ نے اپنی کتاب طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں نقل کیا ہے[1] اس رسالہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جہتِ فوق (اوپر کی طرف) تجویز کرتے تھے ابن جہبل نے ابن تیمیہ کے اقوال کو نقل کر کے علمی پیرایہ سے رد کیا ہے۔ اس رسالہ میں "استوی" اور "نزول" کا بھی خوب بیان ہے۔ ابن جہبل نے علامہ ابن تیمیہ کی تحریر نقل کی ہے کہ "اَنَّہٗ فَوْقَ الْعَرْشِ حَقِیْقَۃً"۔ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ حَقِیْقَۃً۔

اس سلسلہ میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے "تاریخ دعوت وعزیمت" میں لکھا ہے۔

"خوش قسمتی سے خود شیخ الاسلام کا ایک مستقل رسالہ جس میں انھوں نے مصر کی مجلس مباحثہ، پھر

---

[1] ملاحظہ کریں اس کتاب کی پانچویں جلد میں صفحہ ۱۸۱ سے ۲۱۲ تک۔

حبس و اسارت کے واقعات، رہائی کی سلسلہ جنبانی اور انکار اور اپنے مسلک کی توضیح خود کی ہے، حال میں شائع ہوا ہے، اس رسالہ سے بہت سے نئے اور ضروری حالات پر روشنی پڑتی ہے، یہاں اس کے کچھ جستہ جستہ اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔" [1]

اور علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول لکھا ہے۔" البتہ یہ جملہ اِسْتَوٰی حَقِیْقَۃً ضرور میں نے کہا ہے" [2]

ابن جہبل نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ یہ آیت (اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی) مشبہہ کی عمدہ دلیل اور بڑی قوی حجت ہے، ان لوگوں نے ہمدان کی مسجد کے دروازے پر یہی آیت لکھی ہے۔

یہ لوگ "اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ" اور "وَجَآءَ رَبُّکَ" اور "فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَہُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ" اور حدیث "مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا" الخ اور حدیث "اَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ" اور حدیث "اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ" اور حدیث "اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ" میں کیا کہیں گے۔

ائمہ اعلام مالک، ثوری، لیث، اور اوزاعی نے ان متشابہات کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔"اَقِرُّوْھَا کَمَا جَاءَتْ" جو الفاظ وارد ہیں انہی کو رکھو، نہ اس کا بیان ہے نہ ترجمہ۔ امام مالک نے فرمایا ہے ــــــ اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْہُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّؤَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ "ہم کو معلوم ہے کہ استواء کس کو کہتے ہیں، اللہ جل شانہ بے مثل ہے، ہم کو اس کے استواء کی کیفیت معلوم نہیں، وارد الفاظ پر ہم ایمان لاتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

اللہ تعالیٰ قیّوم ہے، تمام عالم کا قیام اس سے ہے۔ اگر اس کے واسطے کوئی طرف اور جہت مقرر کی جائے یا کوئی جگہ تجویز کی جائے تو قیوم کا قیام اس طرف (جہت) سے، یا اُس جگہ سے ہوا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ جَلّ شانہٗ، قائم بالغیر ہوا۔ یعنی اس پاک پروردگار کا قیام غیر سے ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جو حصہ ابن تیمیہ کی تحریر کا نقل کیا ہے، ابن جہبل کے رسالہ میں اس کا تفصیلی رد ہے۔

ارشاد ابوزہرہ علامہ ابن حجر عسقلانی کی اُس تحریر سے جو کہ فتح الباری کے تیسرے حصہ میں ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ رد وافر اور اس کی تقریظات کی تدوین اس مقصد سے ہوئی ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کی تضلیل و تکفیر نہ کی جائے وہ جلیل القدر عالم تھے، علماء سے غلطی ہو جایا کرتی ہے اور جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے، ان کی غلطی نہ صرف معاف ہے بلکہ سعی و اجتہاد کرنے کا اجر ملے گا۔ لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ اس رسالہ اور اس کی تقریظات کو پڑھ کر بعض افراد یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ علامہ ابن تیمیہ تمام گزرے ہوئے ائمہ دین سے بہ کرّات و مرّات افضل و برتر ہیں۔ اس سلسلہ

---

[1] ج ۲ صفحہ ۱۶ [2] ص ۵

میں استاد ابو زہرہ نے لکھا ہے [1]

"واننا بعد دراسة حياته وعصره، لا نجد من السهل دراسة علمه، لأنه لم يكن متخصصاً كالأئمة السابقين، فابو حنيفة كان فقيها، ولم يعرف الا بأنه فقيه، وان كانت له فى صدر حياته جولة فى علم الكلام، فقد اطرح الخلاف فى علم الكلام الى التخصص فى الفقه واستنباط الاحكام، ومالك كان فقيها ومحدثا، ولم تكن قد تميزت التفرقة بين الفقه والحديث تميزا كاملا، والشافعى وان كان الفصيح الأديب قد تخصص فى الفقه واصوله وهكذا . . . ولذلك كانت دراسة علومهم سهلة، لأنها ناحية واحدة، والنواحى الأخرى كانت آراء اعتنقوها بوصف كونهم علماء مسلمين، لا بوصف كونهم متخصصين، اما ابن تيمية فجولاته فى الفقه جعلته فقيه عصره، وجولاته فى علم الكلام جعلته ابرز شخصية فيه، وتفسيراته للقرآن الكريم، ودراسته اصول التفسير ووضعه المناهج لها، جعلته فى صفوف المفسرين، وله فى كل هذه العلوم آراء مبنية على فحص ودراسة، ويعد اول من جهر بها، وان كان يقول إنها مذهب السلف وليست بدعا ابتدعه، ولا بدعا ابتكره، وانما هى رجعة الى حيث كان الاسلام فى ابان مجده ايام كان غضا لم تلق عليه السنون غبار التقاليد والنسيان"

ابن تیمیہ کی حیات اور اُن کے زمانے کو سمجھ لینے کے بعد اُن کے علمی رُتبے کا سمجھنا ہمارے واسطے کوئی آسان کام نہیں، وہ ائمہ سابقین کی طرح کسی ایک فن میں خصوصی مہارت نہیں رکھتے تھے، ابو حنیفہ ایک فقیہ تھے، ان کو صرف فقیہ ہونے کی حیثیت سے پہچانا گیا۔ اگرچہ ابتدائی دور میں انھوں نے علمِ کلام میں جولانی دکھائی ہے، اور علم کلام کے اختلافات نے ان کے واسطے راستہ ہموار کردیا کہ وہ فقہ میں اور مسائل کے استنباط کرنے میں مہارت پیدا کرلیں، اور مالک ایک فقیہ اور محدّث تھے، اور اس وقت تک فقہ اور حدیث میں پوری طرح تفریق بھی نہیں ہوئی تھی، اور شافعی اگرچہ فصیح و ادیب تھے اور انھوں نے فقہ اور اس کے اصول میں مہارت پیدا کرلی ہے، اور اسی طرح . . . بنا بریں ان ائمہ کے علوم کا سمجھنا سہل ہے، کیوں کہ ان کے علوم کا ایک ہی رُخ ہے اور دوسرے جوانب وہ آراء ہیں جن کو مسلمان عالم ہونے کی بنا پر انھوں نے اپنایا ہوا تھا، نہ اس بنا پر کہ ان علوم میں ان کی امتیازی شان تھی، بہ خلاف ابن تیمیہ کے کہ اُن کی فقہی جولانیوں نے ان کو اپنے زمانے کا فقیہ، اور علم کلام میں ان کی تگ و تاز نے ان کو ایک ماہر کلامی اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے اور اصولِ تفسیر کو سمجھنے اور اس کے مناہج مرتب کرنے نے ان کو مفسروں کی صف میں شامل کردیا۔ ان تمام علوم میں ابن تیمیہ کی ایسی آراء ہیں کہ جن سے اُن کی سمجھ اور اُن کی کاوش کا پتہ چلتا ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن تیمیہ ہی نے ان آراء کو ابتداءً بیان کیا ہے، اگرچہ وہ

---

[1] ملاحظہ کریں ان کی کتاب "ابن تیمیہ" کے ص ۱۳ کو۔

کہا کرتے تھے کہ یہ سلف کا مسلک ہے، میں نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے اور نہ کسی قسم کی جدّت پیدا کی ہے بلکہ اس کیفیت کی طرف بازگشت ہے جب کہ اسلام اپنے مجد کے دور میں تروتازہ تھا اور اس پر تقالید اور نسیان کا گرد نہیں جما تھا۔"

رسائل ثلاثہ (رد وافر وغیرہ) اور جلاء العینین وغیرہ پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ امت اسلامیہ میں ابن تیمیہ کی نظیر نہیں اور ان کے مقابلہ میں چاروں اماموں کا ذکر کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ ایک فقیہ کلامی دوسرے فقیہ ومحدث اور تیسرے ادیب اور فقہ واصول فقہ کے ماہر۔ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

ائمہ اربعہ کی جلالت علم اور ان کی امامت کو جمہورِ اُمّتِ اسلامیہ نے تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا متبع اللہ کے فضل وکرم سے ناجی ہے۔ جمہور اُمّت کی بات کا اندازہ اس مبارک حدیث سے کیا جائے جس کی روایت بخاری اور مسلم نے کی ہے[1] عَنْ اَنَسٍ، قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ، ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ انس کہتے ہیں۔ ایک جنازہ کو لے گئے اور لوگوں نے اس کی بھلائی کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ واجب ہوئی۔ پھر ایک جنازہ کو لے گئے اور لوگوں نے اس کی برائی کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا۔ واجب ہوئی۔ عمر نے آپ سے دریافت کیا، کیا واجب ہوئی، آپ نے فرمایا۔ تم نے اس کی بھلائی کا ذکر کیا لہٰذا اس کے لئے جنت واجب ہوئی اور اس کی بُرائی کا ذکر کیا۔ اس کے لئے آگ واجب ہوئی۔ تم اللہ کے گواہ ہو زمین میں۔"

استاد ابوزہرہ کے کلام میں ایک بڑا سُقم یہ ہے کہ انھوں نے تین اماموں کا ذکر کیا ہے۔ چوتھے امام کا نام نہیں لیا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

آج کل مصر وغیرہ میں بچوں کے پڑھانے والے مُلاجی کو فقیہ کہتے ہیں۔ شاید ابوزہرہ نے تین اماموں کو اس حیثیت کا فقیہ سمجھ لیا ہو، یہ حضرات مجتہدِ مُطلق تھے۔ ان کے تفقّہ کا کیا کہنا۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا۔ لوگوں کی مثال چاندی سونے کی کان کی سی ہے، جو لوگ جاہلیت کے دور میں مختار تھے وہ اسلام میں بھی مختار ہیں جب کہ وہ فقیہ ہوں۔ یعنی عقل وبینش والے ہوں، قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی باریکیوں سے واقف ہوں۔

امام ابوحنیفہ کے احوال میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ محدّث شہیر امام اعمش نے امام اعظم سے کہا۔

---

[1] ملاحظہ کریں مشکات، باب المشی بالجنازہ، الفصل الاول کو۔

"مِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا" تم نے یہ بات کہاں سے کہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اَنْتَ حَدَّثْتَنَا عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بکذا۔ تم نے ہم سے از ابو صالح از ابو ہریرہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث بیان کی ہے۔ یہ سن کر امام اعمش نے آپ سے کہا۔ یَا مَعْشَرَ الْفُقَہَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّیَادِلَۃُ۔ اے فقہا کی جماعت تم اطبا ہو اور ہم عطار ہیں۔ یعنی تمہارا کام احادیث کا سمجھنا اور مسائل و احکام کا استنباط کرنا ہے اور ہم بمنزلہ عطار کے ہیں کہ احادیث کا جمع کرنا ہمارا کام ہے۔

تحقیق کا نیا معیار

علامہ ابن تیمیہ کے پیروان میں سے بعض افراد کا انوکھا معیارِ تحقیق ہے۔ علامہ ذہبی کے رسالہ "زغل العلم والطلب" اور "النصیحۃ الذہبیۃ" کو دیکھ کر لکھا ہے۔[1]

"ابتدائے کتاب میں اور ابھی قریب ہی امام صاحب کے متعلق حافظ ذہبی کے تاثرات کا ذکر آچکا ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ سے ذہبی کو والہانہ محبت ہے، جس کثرت اور پُرعظمت انداز سے حضرت امام کا تذکرہ انھوں نے کیا ہے، ان کے معاصرین سے کسی مصنف نے نہیں کیا، سات سے زیادہ موقعوں پر مثلاً تاریخ الاسلام، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، المعجم الصغیر، المعجم المختص بالمحدثین، تذکرۃ الحفاظ میں ابن تیمیہ کا تذکرہ لکھا ہے بلکہ الدرۃ الیتیمیہ فی السیرۃ التیمیہ مستقل کتاب بھی لکھی (ابجد العلوم صفحہ ۸۱۸) کہیں مختصر کہیں مفصل۔"

پانچ سطر کے بعد لکھا ہے:۔ یہ سب اقوال العقود الدریہ، فوات الوفیات، الدرر الکامنہ، ذیل طبقات الحنابلہ، الکواکب الدریہ اور الرد الوافر وغیرہ میں یک جا ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، حافظ ذہبی کی ان تصریحاتِ متواترہ کو سامنے رکھا جائے، پھر ان کی طرف منسوب رسالہ "زغل العلم والطلب" کی بعض عبارتوں کو دیکھا جائے تو باور نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے ایسی کوئی تحریر لکھی ہوگی۔

اور چھ سطر کے بعد لکھا ہے:۔ رسالہ مذکورہ موجودہ دور کے سب سے بڑے امام ابن تیمیہ کے مخالف، مصر کے شیخ محمد زاہد کوثری حنفی نے اپنے حواشی کے ساتھ دمشق میں چھپوایا تھا، اس کے ساتھ امام صاحب کے کسی شدید ترین مخالف کی ایک تحریر حافظ ذہبی کی طرف منسوب کرکے "النصیحۃ الذہبیہ لابن التیمیہ" کا عنوان دے کر ٹانک دی گئی۔

اور صفحہ ۸۰ ، میں لکھا ہے:۔ ہاں حافظ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ کی کتاب "الاعلان بالتوبیخ" مطبوعہ میں اس عبارت کو حافظ ذہبی کی طرف ضرور منسوب کیا گیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ سبکی کو جس تحریر کا پتہ نہ چل سکا، حافظ سخاوی کے شیخ و مربی حافظ ابن حجر اس پر مطلع نہ ہوسکے۔ ذہبی کی وہ تحریر سخاوی کو کیسے مل گئی۔"

یہ ہیں مولانا بھوجیانی کی نگارشات۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

---

[1] مولانا بھوجیانی کی تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو ملاحظہ کریں ص۷۶، ۷۷، ۷۸۔

مولانا بھوجیانی نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، یہ سب اسی کا اثر ہے۔ نواب سید صدیق حسن خان نے ابن تیمیہ کے مسلک کو پھیلانے میں بہت کوشش کی ہے، نو رسائل کے مجموعہ کو (رد وافر وغیرہ) انھوں نے طبع کروایا ہے۔ کسی جگہ حاشیہ بھی لکھدیا ہے۔ نو رسالوں میں دوسرا رسالہ القول الجلی ہے۔ اس میں رسالہ زغل العلم والطلب کا ذکر آیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان نے ذیل میں زغل العلم کی ان عبارتوں کو نقل کیا ہے جن میں ابن تیمیہ پر ایرادات ہیں اور پھر لکھا ہے [۱]

"فانت ترى كلامه فى الشيخ فزنه بعقلك فانه ظاهر التناقض والله اعلم بالسرائر"

یعنی رد وافر وغیرہ میں تم ذہبی کی مدح وستائش پڑھ چکے ہو۔ اب زغل العلم والطلب کی عبارت پڑھو۔ "تم دیکھ رہے ہو ذہبی کا کلام ابن تیمیہ کے بارے میں۔ تم اپنی عقل سے ذہبی کے کلام کا موازنہ کرو یقیناً اس میں کُھلا تناقض ہے اور بھیدوں کا جاننے والا اللہ ہے۔"

سید صدیق حسن خان کو علامہ ذہبی کے کلام میں تناقض نظر آرہا ہے۔ تَنَاقُض، توڑ اور ضد کو کہتے ہیں یعنی ذہبی نے جو کچھ پہلے لکھا ہے اب اس کی پلٹ لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ذہبی کے کلام میں نہ تعارض ہے نہ پلٹ۔ انھوں نے اپنی متعدد کتابوں میں ابن تیمیہ کی خوبیوں کا بیان کیا ہے۔ بُرائیوں کا ذکر نہیں کیا ہے اب انھوں نے ابن تیمیہ کے عیوب کا بیان کیا ہے۔ اور یہ عیوب ایسے ہیں کہ علم وفضل والوں میں پائے جاتے ہیں بلکہ ایسے افراد دیکھنے میں بھی آئے ہیں۔ اللہ سب کو ان عیوب سے محفوظ رکھے۔

مولانا بھوجیانی کو علامہ زاہد کوثری پر بہت غصہ آیا ہے۔ ان کی خطا صرف یہ ہے کہ انھوں نے حقیقت کا اظہار کر دیا ہے جس کے اخفاء کے لئے نواب صدیق حسن خان اور امرائے نجد ساعی رہے ہیں۔ اگر علامہ ابن تیمیہ کی تحریرات صحیح طور پر سامنے آجائیں، علماء اعلام کی ان سے بیزاری کے اسباب کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے کہ مسئلہ صفاتِ باری تعالیٰ میں علامہ ابن تیمیہ اپنے پیش رو حنابلہ کے مسلک پر تھے، البتہ ابن تیمیہ نے الفاظ کا چکر ڈالا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کی تحریرات کو پڑھ کر ایک صاحب علم نے فرمایا "بہ اعتبار الفاظ کے ابن تیمیہ اہل تجسیم میں نہیں ہیں لیکن مفہوم اور معنی کے اعتبار سے وہ اہل تجسیم سے ہیں"۔

زاہد کوثری نے سالہاسال مصر، شام، ترکیہ، عراق وغیرہ کے کتب خانوں کو چھانا ہے اور نوادرات جمع کئے ہیں۔ چنانچہ النصيحة الذهبيه ان کو دستیاب ہوئی اور انھوں نے زغل العلم والطلب کے ساتھ اس کو چھپوایا۔ انھوں نے ابتدائی صفحہ پر لکھا ہے۔

"النصيحة الذهبيه لابن تيميه للحافظ الذهبى عن اصل منقول من نسخة البرهان ابن جماعة التى كتبها من نسخة الحافظ الصلاح العلائى الماخوذة عن خط الذهبى"

---

[۱] مجموعہ رسائل کے صفحہ ۱۲۶ کو ملاحظہ کریں۔

"حافظ ذہبی کی النصیحۃ الذہبیہ، برہان الدین ابن جماعہ کے نسخہ سے نقل کی گئی ہے جو کہ حافظ صلاح الدین علائی کی تحریر سے نقل کیا گیا ہے اور وہ علامہ ذہبی کی تحریر سے ماخوذ ہے۔"

علامہ کوثری نے علامہ سبکی کی کتاب "السیف الصقیل" بھی چھپوائی ہے اور اس کے آخر میں النصیحۃ الذہبیہ کا عکس چھاپا ہے جو کہ ابن قاضی شہبہ کے ہاتھ کی تحریر ہے۔ ان سب شواہد اور تحقیقات کے ہوتے ہوئے مولانا بھوجیانی لکھ رہے ہیں۔

"امام صاحب کی کسی شدید ترین مخالف کی ایک تحریر حافظ ذہبی کی طرف منسوب کر کے "النصیحۃ الذہبیہ لابن تیمیہ" کا عنوان دے کر ٹانک دی گئی۔"

نہ کوئی حافظ ابن تیمیہ کا دشمن ہے نہ مخالف، حقیقتِ امر معلوم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ علماءِ اعلام جو ابن تیمیہ کے مداح تھے کس بنا پر ایک ایک کر کے اُن سے نہ صرف الگ ہوئے بلکہ ان سے متنفر اور ان کے مخالف ہوئے۔

مولانا بھوجیانی نے ایک سوال کر کے بڑا پُر لطف انوکھا استدلال کیا ہے۔ لکھا ہے:۔

"سوال یہ ہے کہ سبکی کو جس تحریر کا پتہ نہ چل سکا، حافظ سخاوی کے شیخ و مربی حافظ ابن حجر اُس پر مطلع نہ ہو سکے، ذہبی کی وہ تحریر سخاوی کو کیسے مل گئی۔"

علامہ ابن تیمیہ کے اتباع اور ان کے تذکرہ نگاروں کا معیارِ تحقیق دنیا سے نرالا ہے۔ ان لوگوں کی منظم کوشش رہی ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے شذوذات پر تنقید کرنے والوں کو بدنام کیا جائے۔ اور ان کی کتابوں کو موردِ ملامت بنائیں۔ جب سے حجاز مقدس پر ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب کے پیروان کا تصرف ہوا ہے وہ مبارک سرزمین ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب کے مسلک کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ علماء اہل سنت وجماعت کی صدہا کتابوں کا داخلہ وہاں ممنوع ہے، ایسی ذہنیت رکھنے والوں کا نقد و تبصرہ اسی طرح ہو سکتا ہے جیسا کہ مولانا بھوجیانی نے کیا ہے کہ اگر کوئی کتاب یا رسالہ استاذ نے نہیں دیکھا ہے شاگرد بھی نہ دیکھے۔ اگر کسی حدیث شریف کی روایت امام دار الہجرہ مالک بن انس نے نہیں کی ہے تو امام بخاری بھی نہ کریں۔

علامہ زاہد کوثری، خلافت عثمانیہ کے دور میں "وَکِیلِ مَشِیخَتِ اِسلَامِیَّہ" کے منصب پر فائز تھے، ان کی تحقیقات اور تنقیبات کا دائرہ بہت وسیع تھا، وہ کہا کرتے تھے عَلاّمہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے تفسیر رُوح المعانی لکھی اور اس کا ایک نسخہ سلطان عبدالمجید خان کو پیش کیا، وہ نسخہ راغب باشا کے کتب خانہ میں جو کہ استنبول میں ہے، موجود ہے۔ سید محمود آلوسی کے فرزند سید نعمان آلوسی نے اس تفسیر کو چھپوایا ہے۔ سید نعمان کی راہ و رسم نواب صدیق حسن خان سے تھی۔ جناب نواب کے اشارہ پر انھوں نے "جلاء العینین" لکھی اور ان ہی کے اشارہ پر اپنے والد کی تفسیر میں بھی کچھ تصرفات کئے ہیں، اگر

مطبوعہ نسخہ کا سلطانی نسخہ سے مقابلہ کیا جائے تصرفات کا پتہ چل جائے گا۔

سفر نامہ ابن بطوطہ

شیخ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ اللواتی الطنجی معروف بہ ابن بطوطہ سیاحتِ عالم کے لئے اپنے گھر سے دو رجب ۷۲۵ھ کو نکلے اور اواخر ذی الحجہ ۷۵۴ھ کو ان کی واپسی ہوئی، انھوں نے اپنے سفر نامہ تُحْفَۃُ النُّظَّارِ فِیْ غَرَائِبِ الْاَمْصَارِ وَعَجَائِبِ الْاَسْفَارِ" مشہور بہ "رِحْلَۃِ ابْنِ بَطُوْطَۃَ" میں بحری قزاقوں کا واقعہ لکھا ہے[۱] کہ انھوں نے ہم کو لوٹا "ولم یترکوا لی ساترا الا السراویل" اور تن ڈھانکنے کے لئے پاجامہ کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ انھوں نے جو یادداشتیں لکھی تھیں اور ان کا جو سامان تھا سب چھن گیا۔

سلطانِ فاس ابوعنان نے اُن سے عجائبات عالم سُنے اور ان سے کہا[۲] "أن یملی ماشاھدہ فی رحلتہ من الامصار، وماعلق بحفظہ من نوادر الأخبار۔" کہ وہ اپنے مشاہدات کو اور اُن امور کو جو اُن کے حافظہ میں محفوظ ہیں لکھوائیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ سفر نامہ جو انتیس ۲۹ سال کے سیکڑوں واقعات اور صدہا عجائبات پر مشتمل ہے اپنے حافظے سے لکھوایا ہے، کتاب کے دیباجہ میں یہ بیان کیا ہے کہ ممالکِ شرقیہ میں ان کی شہرت شمس الدین سے ہے۔ اس سفر نامہ کی تدوین ماہ صفر ۷۵۷ھ میں مکمل ہوئی ہے۔ اسی میں لکھا ہے[۳]

(ترجمہ) جمعرات ۹ رمضان ۷۲۶ھ دمشق پہنچا اور مالکیہ کے مدرسہ شرابیہ میں قیام کیا۔

اور لکھا ہے[۴] ۔ دمشق میں حنابلہ کے بڑے فقہا میں سے تقی الدین ابن تیمیہ شام کے کبیر تھے، وہ علوم و فنون میں کلام کیا کرتے تھے۔ اِلَّا اَنَّ فِیْ عَقْلِہٖ شَیْئًا ۔ لیکن ان کی عقل میں کچھ تھا، اہلِ دمشق ان کی نہایت تعظیم کیا کرتے تھے اور وہ ان کو منبر پر سے وعظ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ انھوں نے کوئی بات کہی، فقہا نے اس کو ناپسند کیا اور ملک الناصر تک یہ بات پہنچائی، بادشاہ نے ان کو قاہرہ (مصر) بلایا، بادشاہ نے وہاں کے قاضیوں اور فقیہوں کو جمع کیا، شرف الدین زواوی مالکی نے کہا کہ ابن تیمیہ نے یہ باتیں کہی ہیں اور شرف الدین نے ان کی ناپسندیدہ باتیں بیان کیں، گواہوں کو پیش کیا اور قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں کاغذ دیا۔ قاضی القضاۃ نے ابن تیمیہ سے پوچھا۔ تم کیا کہتے ہو۔ انھوں نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا (عرب اپنی بے قصوری ثابت کرنے کے لئے یہ کہا کرتے ہیں) ان سے پھر پوچھا گیا اور انھوں نے یہی جواب دیا۔ بادشاہ نے قید کا حکم دیا اور وہ کئی سال قید رہے، الخ

جب دوسری بار اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ میں اس وقت دمشق میں تھا۔ جمعہ کے دن ان کے پاس گیا وہ منبرِ جامع سے لوگوں کو وعظ و پند کر رہے تھے۔ منجملہ اور باتوں کے انھوں نے یہ بات کہی ـــــ

---

[۱] دوسرے حصہ کے ص۱۶۴ کو ملاحظہ کریں۔ [۲] پہلا حصہ ص۴۔ [۳] ملاحظہ کریں پہلے حصہ کا ص۵۰۔ [۴] ص۵۶

اِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ اِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا کَنُزُوْلِیْ ھٰذَا۔ اللہ دنیا کے آسمان پر نزول کرتا ہے، میرے اس نزول کی طرح۔ اور وہ منبر کی ایک سیڑھی اترے۔ اس وقت مالکی فقیہ نے جن کی شہرت ابن الزہراء کے نام سے تھی اعتراض کیا۔ عوام اُن پر پل پڑے اور ہاتھوں اور جوتوں سے ان کو خوب مارا۔ اسی دوران میں ان کے سر سے پگڑی گرگئی، ریشمین عرق چین ان کے سر پر رہ گئی، اس پر ان کی گرفت کی گئی اور ان کو حنبلی قاضی عزالدین بن مسلم کے گھرلے گئے۔ قاضی نے قید کا حکم اور اس کے بعد مزید سزا (تعزیر) تجویز کی۔ علماء مالکیہ اور شافعیہ نے تعزیر پر احتجاج کیا اور ملک الامراء سیف الدین تنکیز تک بات پہنچائی، وہ عمدہ اور صالح امرا میں سے تھا۔ اس نے ملک الناصر کو واقعہ لکھا اور شرعی حجت لکھی اس میں ابن تیمیہ کی ناپسندیدہ باتیں تحریر کیں چنانچہ اس میں تین طلاق کا مسئلہ اور قبر شریف نبوی زَادَہُ اللّٰہُ طِیْبًا کی زیارت کا مسئلہ اور اسی طرح کی اور باتیں تھیں اور یہ شرعی حجّت بادشاہ کو بھیجی۔ بادشاہ نے ابن تیمیہ کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ وہ قید ہوئے اور مرتے دم تک قید رہے۔

استاذ بیطار کی تنقید

استاذ محمد بہجت بیطار دمشقی نے ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۱ء) میں کتاب "شیخ الاسلام ابن تیمیہ" لکھی ہے۔ اس میں "دَفْعُ فِرْیَۃِ ابْنِ بَطُوْطَہ عَنِ ابْنِ تَیْمِیَّۃ" کے نام سے ایک مضمون ہے یعنی اس تہمت کا دور کرنا جو ابن بطوطہ نے ابن تیمیہ پر لگائی ہے۔ استاذ بیطار نے تین وجوہات کی بنا پر ابن بطوطہ کے بیان کو افترا (تہمت) قرار دیا ہے۔ وہ تین وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ابن بطوطہ ۹ رمضان کو دمشق میں داخل ہوئے ہیں اور ابن تیمیہ ایک مہینہ پہلے اوائل شعبان میں قید ہوگئے تھے۔ لہذا نہ انھوں نے ابن تیمیہ کو دیکھا ہے اور نہ ان سے کچھ سنا۔

۲۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی تصدیق نہ شرعاً ہوتی ہے اور نہ عقلاً، انھوں نے جامع اموی میں حضرت ذکریا کی قبر کا ذکر کیا ہے حالاں کہ قبر حضرت یحیی کی ہے۔ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ۔ اور انھوں نے جامع اموی کی فضیلت میں ایک روایت کا ذکر کیا ہے کہ اس مسجد کی ایک نماز تیس ہزار نماز کا ثواب رکھتی ہے۔ اور یہ روایت موضوعی ہے اور انھوں نے سفرنامہ کے پہلے حصہ کے صفحہ ۱۹۹، ۱۳۳۔ اور ۱۳۶ میں بادشاہوں کے دروازوں پر حاضری دینی اور ابواسحاق وغیرہ کی قبور کا ذکر کیا ہے۔ وَاَقَرَّھَا وَلَمْ یُنْکِرْ عَلَیْھَا۔ انھوں نے ذکر کردہ امور کو برقرار رکھا ہے، اُن پر نکیر نہیں کی ہے۔

۳۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ابن تیمیہ منبر جامع پر سے لوگوں کو وعظ و پند کر رہے تھے حالاں کہ جمعہ کے منبر پر سے نہ ابن تیمیہ خطبہ پڑھتے تھے اور نہ وعظ و پند کرتے تھے۔ کَمَا یُوْھِمُہُ قَوْلُہٗ، وَنَزَلَ دُرْجَۃً مِنْ دُرَجِ الْمِنْبَرِ۔ جس کا واہمہ ان کی اس بات سے ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ منبر کی سیڑھیوں میں سے

ایک سیڑھی اترے۔ ابن تیمیہ کرسی پر بیٹھ کر وعظ و پند کیا کرتے تھے جیسا کہ حافظ ذہبی نے بیان کیا ہے ہاں ابن عبدالہادی نے منبر کا نام لیا ہے اور کہا ہے۔ یتکلم فی الجوامع علی المنابر۔ وہ مساجد میں منابر پر کلام کرتے ہیں۔ ابن عبدالہادی نے نہ منابر جمعہ کا لفظ لکھا ہے نہ منابر خطابہ کا۔ لہذا منبر سے مُراد ہر وہ شے ہے جو زمین سے بلند ہو جیسا کہ منبر کے لغوی مفہوم سے سمجھا جاتا ہے۔

تنقید پر تبصرہ

استاذ بیطار نے اپنے مضمون کے شروع میں لکھا ہے۔ عَن اِمامِ الشامِ و شیخ الاسلام ابن تیمیۃ۔ یعنی ابن بطوطہ نے شام کے امام اور اسلام کے شیخ کے متعلق ایسا بیان لکھا ہے۔

استاذ بیطار نے ایک نیک اور عالم سیاح کے چشم دید بیان کو شامیت اور غیر شامیت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے۔ اس صورت میں انصاف کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

استاذ بیطار نے ابن بطوطہ کے دمشق میں داخل ہونے کی تاریخ پر گرفت کی ہے۔ ان کی یہ گرفت از روئے قاعدہ درست ہے۔ البتہ سفرنامہ کے مطالعہ کرنے کے بعد بعض حقائق سامنے آتے ہیں، جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً بحری قزاقوں نے ان کو لوٹ لیا۔ تمام یادداشتیں ضائع ہوگئیں، ابن بطوطہ انتیس سال سفر میں رہے۔ پھر دو سال بعد تمام واقعات اپنے حافظہ کی رو سے لکھوائے۔ علامہ ابن تیمیہ سے ملاقات کا واقعہ ۷۲۶ھ کا ہے انھوں نے تیس سال کے بعد اس واقعہ کو لکھوایا ہے۔ اتنی مدت کے بعد صدہا بِلاد و اَمصار، صدہا افراد، صدہا واقعات اور ان سب کے ناموں کا یاد رکھنا بڑا کمال ہے چہ جائے روز و ماہ و سال۔

استاذ بیطار اسراء کے واقعہ کو دیکھیں، کوئی مسلمان اس واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کرسکتا، قرآن مجید میں اس کا بیان آیا ہے، باوجود اس کے دن، مہینہ اور سال کے متعلق محققین کا اختلاف ہے۔ صرف مہینے کے متعلق پانچ اقوال ہیں۔ ماہ ربیع الاول، ماہ ربیع الآخر، ماہ رجب، ماہ رمضان اور ماہ شوال۔ اور سال کے متعلق کوئی کہتا ہے۔ نبوت کے پانچ سال بعد، کوئی کہتا ہے، ہجرت سے پانچ سال پہلے، کوئی تین سال پہلے بتاتا ہے اور کوئی ایک سال پانچ مہینے تجویز کرتا ہے اور کوئی کہتا ہے صرف ایک سال قبل یہ واقعہ پیش آیا۔ اور دن کے متعلق کسی نے جمعہ، کسی نے شنبہ، اور کسی نے دوشنبہ کہا۔ کیا دن، ماہ اور سال میں اختلاف کی وجہ سے واقعہ کی صحت سے، پناہ بخدا، شک کیا جائے گا، اور کیا متفرق اور مختلف تاریخوں کی روایت کرنے والوں کو۔ خدانخواستہ۔ کوئی جھوٹا اور کذاب یا افتراپرداز کہے گا۔ واقعات نبویہ عَلیٰ صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّۃُ اور حضراتِ صحابہ عَلَیہِمُ الرِّضوان اور تابعین عظام علیہم الرحمۃ کے وقائع میں اس طرح کا اختلاف بہ کثرت موجود ہے۔ ایسی صورت میں علمائے اعلام کا یہی مسلک رہا ہے کہ روز و ماہ و سال پر قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن واقعہ کی صحت میں شک

نہیں کیا جاتا۔ افسوس ہے استاذ بیطار نے ایک تاریخی سہو کو افترا، قرار دے دیا ہے۔ ایک مرد عالم، صالح، جواد، محسن اور قاضی مسلمین کو ایک سہو کی بنا پر کذاب اور مفتری کہنا کب جائز ہے۔

ابن بطوطہ کی آمد دہلی میں سلطان جوناخان ابوالفتح محمد تغلق کے عہد میں ہوئی، اس بادشاہ کے متعلق مولوی ذکا اللہ نے لکھا ہے[1]

"یہ بادشاہ عجائب روزگار سے تھا، اس کی ذات جامع اضداد تھی، بھلائیاں بُرائیوں پر پردہ ڈالتی تھیں اور بُرائیاں بھلائیوں کو خاک میں ملاتی تھیں، فیاض ایسا کہ روپیہ کو ٹھیکری سمجھتا تھا، عالموں اور فاضلوں کو لاکھوں روپیہ دیتا تھا، یہی سبب تھا کہ جیسے اس کی لیاقت اور محامد میں دفتر کے دفتر سیاہ ہوئے ہیں ایسے کسی بادشاہ کے نہیں ہوئے۔ اس سخاوت کا حال سن کر سب اطراف کے صاحب کمال اس کے دربار میں آتے اور اپنی آرزو سے زیادہ دولت پاتے، ایک ایک دن کا خرچ اس کا اور بادشاہوں کے برسوں کے خرچ کے برابر تھا۔" الخ

اس بادشاہِ دیوانہ و فرزانہ کے واقعات کو ابن بطوطہ نے تفصیل سے لکھا ہے، ان واقعات کو پڑھکر لوگوں کا خیال ہوا کہ یہ غلط ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے۔[2]

قَرَأْتُ بِخَطِّ ابْنِ مَرْزُوْقٍ اَنَّ اَبَا عَبْدِ اللهِ بْنَ جَزِيٍّ نَمَّقَهَا وَحَرَّرَهَا بِاَمْرِ السُّلْطَانِ اَبِي عِنَانٍ وَكَانَ الْبَلْفِيقِيُّ رَمَاهُ بِالْكِذْبِ فَبَرَّأَهُ ابْنُ مَرْزُوْقٍ وَقَالَ اِنَّهُ بَقِيَ اِلَى سَنَةِ سَبْعِيْنَ وَفَاتَ وَهُوَ مُتَوَلِّي الْقَضَاءِ بِبَعْضِ الْبِلَادِ قَالَ ابْنُ مَرْزُوْقٍ وَلَا اَعْلَمُ اَحَدًا جَالَ الْبِلَادَ كَرِحْلَتِهِ وَكَانَ مَعَ ذٰلِكَ جَوَادًا مُحْسِنًا۔

"ابن مرزوق کی تحریر میں نے پڑھی، کہ اس سفرنامہ کی کتابت سلطان ابوعنان کے حکم سے ابوعبداللہ بن جزی نے کی ہے، اور بلفیقی نے ابن بطوطہ پر جھوٹ کا الزام لگایا تھا۔ ابن مرزوق نے اُن کی برأت کی اور کہا ہے کہ ۷۷۰ھ تک وہ زندہ رہے۔ مرتے دم تک بعض مقامات کے قاضی تھے، میرے علم میں نہیں کہ کسی دوسرے شخص نے اُن جیسی سیاحت کی ہو۔ مع ہذا فیاض اور احسان کرنے والے شخص تھے۔"

اسلام کے مشہور و معروف مفکر علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون اپنی گراں بہا تالیف کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر کے مقدمہ کے تیسرے باب، اٹھارہویں فصل کے آخر میں لکھتے ہیں[3]

طنجہ کے مشائخ میں سے ایک شخص جو ابن بطوطہ کے نام سے مشہور ہیں، تقریباً بیس سال پہلے مشرق کی طرف گئے عراق یمن ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے وہاں کے بادشاہ اور ولی عہد فیروز سے ملے۔ انھوں نے ان کو ملک کے کسی حصہ میں مالکی قاضی بنا دیا۔ پھر وہ مغرب کو لوٹے اور سلطان ابوعنان سے ملے۔ ان کو اپنے دیکھے ہوئے عجائبات سنائے، ہندوستان کے واقعات بہ کثرت بیان کئے ہیں (بادشاہ کا سونے

---

[1] تاریخ ہندوستان ج ۲ ص ۱۰۸، ۱۰۹۔ [2] درر کامنہ ج ۳ ص ۴۸۰، ۴۸۱۔ [3] ملاحظہ کریں ص ۱۸۱، ۱۸۲۔

چاندی کے سکوں کا لٹانا وغیرہ) ایسی باتوں کو پڑھ کر لوگوں نے اُن کی تکذیب کی۔ اتفاق سے انہی دنوں میں میری ملاقات سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے ہوئی جن کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے ابن بطوطہ کے بیان کئے ہوئے واقعات ان کو سنائے اور لوگوں کے انکار اور تکذیب کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا۔ اِیَّاکَ اَن تَستَنکِرَ مِثلَ ھٰذَا مِنْ اَحوَالِ الدُّوَلِ بِمَا اَنَّکَ لَم تَرَہٗ ۔

حکومتوں کے اس قسم کے واقعات کے انکار کرنے سے بنابریں کہ تم نے نہیں دیکھے ہیں، اپنے کو بچاؤ۔

علامہ ابن مرزوق، حافظ ابن حجر عسقلانی، وزیر باتدبیر فارس بن وردار اور علامہ ابن خلدون رحمہم اللہ تعالیٰ نے کیسی درست اور انصاف کی بات کہی ہے اور ابن بطوطہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی صداقت، دیانت اور صلاح کا اعتراف کیا ہے۔ ابن بطوطہ کا سفر نامہ سب کے سامنے ہے اس کو دیکھیں مطالعہ کریں اور سچ اور جھوٹ کا اندازہ لگائیں۔

استاذ بیطار کی گرفتیں

استاذ بیطار نے تاریخی سہو کو افترا ثابت کرنے کے لئے سفر نامہ کے پانچ مواضع کو پیش کیا ہے۔ مختصر طور پر اس سلسلہ میں کچھ کہا جاتا ہے۔

(۱) جامع اموی میں حضرت یحییٰ کی قبر ہے، ابن بطوطہ نے حضرت زکریا کا نام لکھا ہے۔

بے شک قبر حضرت یحییٰ کی ہے نہ حضرت زکریا کی۔ اور یہ بھی ایک معمولی سہو ہے، اس خبر میں مہتم بالشان یہ بات ہے کہ مسجد میں ایک نبی کی قبر ہے۔ رہا حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا قصہ، تو یہ سہو کا ثمرہ ہے، تیس سال کے بعد سینکڑوں واقعات کے لکھوانے میں اس قسم کا سہو ہوجانا کوئی بڑی بات نہیں ہے اور نہ کوئی منصف مزاج اس کی وجہ سے ابن بطوطہ کو مفتری اور کذاب کہے گا۔ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے [۱] رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاءُ وَالنِّسیَانُ۔ میری اُمّت سے خطا اور بھول کی گرفت اٹھالی گئی ہے۔

(۲) جامع اموی میں نماز پڑھنے کی فضیلت میں جو روایت ابن بطوطہ نے لکھدی ہے اس کے متعلق اگر بیطار اظہار حقیقت کرتے ہوئے لکھ دیتے کہ یہ روایت موضوعی ہے۔ مناسب تھا۔ لیکن اس روایت کے لکھ دینے کی وجہ سے ابن بطوطہ پر رد وطعن درست نہیں، ابن بطوطہ نہ محدّث تھے اور نہ انھوں نے اس روایت کو لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت ثابت اور صحیح ہے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء کرام اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنی کتابوں میں موضوعات لکھ گئے ہیں، چوں کہ ان حضرات کا فعل لاعلمی اور ناواقفی کی بناپر ہوا ہے ان پر کسی نے نکیر نہیں کی ہے۔

دمشق وشام اور جامع اموی کے متعلق دورِ بنی امیہ میں موضوعات کا خوب چرچا ہوا ہے۔ محدثین کو اللہ تعالیٰ اجر دے کہ انھوں نے احادیث مبارکہ کی تطہیر کا کام خوب کیا ہے۔

---

[۱] سیوطی کی الجامع الصغیر ملاحظہ کریں۔

(۳) صفحہ ۱۹۹ میں ابن بطوطہ نے ان مصائب اور آلام کا بیان کیا ہے جو بلاد ترکمان میں مقام کبنوک جاتے وقت پیش آئے تھے، وہ برف کے طوفان میں گھر گئے تھے، زندہ بچنے کی توقع نہ تھی، اللہ نے اُن پر کرم کیا اور وہ بچ گئے، سمجھ میں نہیں آتا کہ استاذ بیطار کو اس واقعہ میں کیا قباحت نظر آگئی ہے۔ ابن بطوطہ نے "وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ" پر عمل کرتے ہوئے اپنے رب کے احسان کا بیان کیا ہے۔ ان کا یہ فعل شایان مدحت ہے نہ مذمت۔

(۴) صفحہ ۱۳۳ میں حضرت سید احمد برادر حضرت علی رضا کی قبر ہے یہ اہل بیت اطہار کے ایک فرد ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین، ابن بطوطہ نے لکھا ہے، اہل شیراز کو ان سے محبت ہے اور وہ ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں، اور

(۵) صفحہ ۱۳۶ میں حضرت ابو اسحاق کی قبر اور ان کی خانقاہ کا بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ان کی قبر مقام کازوونی میں ہے جو شیراز سے کچھ فاصلہ پر ہے، جس کو کوئی تکلیف پیش آتی ہے وہ ان کی خانقاہ، جاتا ہے، وہاں کے مجاورین قرآن مجید کا ختم اور ذکر شریف کر کے حضرت شیخ کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں، فَتُقۡضٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ - اور اللہ کے اذن سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ہندوستان اور چین کے لوگوں کو اگر سمندر میں طوفان گھیر لیتا ہے وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں اور شیخ ابو اسحاق کے واسطے کچھ مانتے ہیں اور پھر وہ نذران کی خانقاہ کو پہنچاتے ہیں۔

استاذ بیطار نے چوتھے اور پانچویں واقعے پر نکیر کی ہے اور فَاِذَا رَكِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ سے استدلال کیا ہے (ترجمہ) پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو، نرے اسی پر رکھ کر نیت۔ پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک پکڑنے"، حضرت شاہ عبد القادر نے موضح قرآن میں لکھا ہے۔

"مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے اور سارے ملک عرب میں فساد تھا، بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں یہ سچا احسان اللہ کا نہیں مانتے۔"

کہاں مشرکوں کا فعل اور کہاں مسلمانوں کا عمل۔ مسلمان کے پیش نظر اِبۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ ہے (اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ) اولیا کا وسیلہ درحقیقت ان کے اعمال اور اعلیٰ خصوصیات کا وسیلہ ہے، امام ابو المؤید الموفق بن احمد المکی متوفی ۵۶۸ھ نے امام شافعی کا یہ قول سند کے ساتھ لکھا ہے [۱]

اِنِّیۡ لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِیۡ حَنِیۡفَةَ وَاَجِیۡءُ اِلٰی قَبۡرِهٖ فِیۡ كُلِّ یَوۡمٍ زَائِرًا فَاِذَا عَرَضَتۡ لِیۡ حَاجَةٌ صَلَّیۡتُ رَكۡعَتَیۡنِ وَجِئۡتُ اِلٰی قَبۡرِهٖ وَسَاَلۡتُ اللّٰهَ الۡحَاجَةَ عِنۡدَهٗ فَمَا تَبۡعُدُ عَنِّیۡ حَتّٰی تُقۡضٰی۔

میں ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور زیارت کے لئے ہر روز ان کی قبر پر جاتا ہوں، اور

---

[۱] ملاحظہ کریں کتاب مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ ج ۲ ص ۱۹۹

جب مجھ کو کوئی حاجت پیش آتی ہے میں دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر پر جاتا ہوں اور اللہ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں اور کچھ ہی وقت گزرتا ہے کہ میری حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

ابن بطوطہ اہل سنت وجماعت کے مسلک پر ہیں، بلا وجہ کی رد و تشنیع درست نہیں۔

منبر ابن بطوطہ نے منبر کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں استاذ بیطار نے عجیب بحث کی ہے۔اگر علامہ ابن تیمیہ کے خاص شاگرد اور ان کا تذکرہ اور مرثیہ لکھنے والے حافظ و مورخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عبدالہادی منبر کا لفظ نہ لکھتے، استاذ بیطار ابن بطوطہ کو کذاب لکھ دیتے۔چوں کہ ابن عبدالہادی کی عبارت سے ابن بطوطہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ان کو یہ عجیب بحث لکھنی پڑی۔ وہ کہتے ہیں [1]

ابن بطوطہ نے منبر الجامع (مسجد کا منبر) لکھا ہے۔حالانکہ ابن تیمیہ کرسی پر بیٹھ کر وعظ کیا کرتے تھے جیساکہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔

وقد اشتھر أمرہ وبعد صیتہ فی العالم، وأخذ فی تفسیر الکتاب العزیز ایام الجمع علی کرسی من حفظہ۔

ان کی (ابن تیمیہ کی) کیفیت مشہور ہوئی اور عالم میں ان کا آوازہ دور تک پھیلا، انھوں نے جمعہ کے دنوں میں قرآن عظیم کی تفسیر از روئے حافظہ کرسی پر سے کرنی شروع کی۔

ہاں حافظ مؤرخ ابن عبدالہادی نے لکھا ہے۔

ثم ان الشیخ جلس یوم الجمعۃ (ای بدمشق) علی عادتہ، وقال وھو یصف حالہ واعمالہ بمصر: ویتکلم فی الجوامع علی المنابر من بعد صلاۃ الجمعۃ الی العصر۔

پھر شیخ (ابن تیمیہ) حسبِ عادت جمعہ کے دن بیٹھے (دمشق میں) اور ابن عبدالہادی نے مصر میں ان کے احوال و اعمال کا ذکر کیا، (اور لکھا) مساجد میں جمعہ کی نماز کے بعد سے عصر تک منبروں پر سے وعظ کیا کرتے تھے۔"

ابن عبدالہادی نے نہ منابر الجمعہ کا لفظ لکھا ہے نہ منابر الخطابہ کا، لہذا منبر کے لفظ سے انکا مطلب کُلُّ ما ارتفع عن الارض ہے۔ ہر وہ شے جو زمین سے بلند ہو۔ اور پھر لکھا ہے۔ فکیف غفل ابن بطوطۃ عن ذلک ۔ اس بات سے ابن بطوطہ کس طرح غافل رہ گئے۔

ابن بطوطہ نے چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ بھلا اس میں غفلت کا کیا سوال۔غفلت تو اس عبارت میں ہوتی ہے جو بنائی جاتی ہے۔ استاذ بیطار کو ذہبی کی عبارت کسی کتاب میں مل گئی۔چوں کہ وہ عبارت ان کے مطلب کی تھی اس کو ایک اصل ثابت قرار دے کر ابن عبدالہادی کی عبارت کی من مانی تاویل میں مصروف ہو گئے۔ اور ابن بطوطہ کو صاحب غفلت قرار دے دیا۔

---

[1] ملاحظہ کریں کتاب حیاۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص۲۲ اختصار کے ساتھ۔

علامہ ذہبی نے اگر اپنی کسی تحریر میں کرسی کا لفظ لکھا ہے تو دوسری تحریر میں منبر کا لفظ لکھا ہے۔

مؤرخ و فقیہ ابوالفلاح عبدالحیٔ بن العماد حنبلی نے اپنی تاریخ میں ۷۲۸ھ کے احوال میں علامہ ابن تیمیہ کا تذکرہ چھ صفحات میں لکھا ہے۔ ابن عماد نے علامہ ذہبی کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں تحریر ہے لہ

ثم جلس عقب ذلك مكان والده بالجامع على منبر ايام الجمع لتفسير القرآن العظيم۔

"پھر اس کے بعد اپنے والد کی جگہ مسجد میں منبر پر ایام جمع میں قرآن عظیم کی تفسیر کے لئے بیٹھے۔"

حافظ ذہبی کی تحریرات کا مطالعہ اگر دقیق نظر سے کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ وہ مقصد کا اظہار کرتے ہیں الفاظ کی طرف چنداں متوجہ نہیں ہوتے، لہذا انھوں نے کہیں کرسی لکھ دی اور کہیں منبر۔ استاد بیطار اگر مزید تحقیق کرتے ایسی عجیب بحث نہ کرتے۔ حافظ ابن کثیر کا حال گزر چکا ہے کہ ان پر ابن تیمیہ کی محبت کا غلبہ تھا، انھوں نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ٢ھ

جلس الشيخ تقي الدين المذكور يوم الجمعة عاشر صفر بالجامع الأموي بعد صلاة الجمعة على منبر قد هئ له لتفسير القرآن العزيز"

جمعہ ۱۰ صفر ۶۸۳ھ کو جامع اموی میں شیخ تقی الدین (ابن تیمیہ) مذکور ایک خاص منبر پر جو کہ ان کے واسطے مہیا کیا گیا تھا قرآن عزیز کی تفسیر کے واسطے بیٹھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرالکامنہ میں لکھا ہے ٣ھ

"وكان يتكلم على المنبر" وہ منبر پر سے وعظ کیا کرتے تھے۔

اور لکھا ہے ٤ھ "فذكروا انه ذكر حديث النزول فنزل عن المنبر درجتين فقال كنزولي هذا۔ بیان کیا ہے کہ انھوں نے حدیث نزول کا ذکر کیا اور وہ منبر کی دو سیڑھیاں اترے اور کہا، میرے اس اُترنے کی طرح۔"

حافظ ابن کثیر کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کے واسطے منبر مہیا کیا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ منبر تین سیڑھیوں کا ہو جو کہ مسنون طریقہ ہے۔ کیونکہ عرب ممالک میں عام طور سے بارہ سیڑھیوں کا منبر ہوا کرتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس منبر کی پستی کی وجہ سے حافظ ذہبی نے کسی جگہ کرسی سے تعبیر کر دی ہو۔ بہرحال یہ متحقق ہے کہ علامہ ابن تیمیہ منبر پر سے وعظ کیا کرتے تھے۔

اگر استاذ بیطار نے بلاوجہ مرد صالح ابن بطوطہ پر افترا پردازی کا الزام لگایا ہے، ایک دوسرے محقق نے۔ جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ۔ لکھ کر اپنے دل کا غبار نکالا ہے۔ یہ ہے علامہ ابن تیمیہ کے اتباع کا طریقہ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

حدیثِ نزول دمشق شام سے رسالہ "شرح حدیث الزول" علّامہ ابن تیمیہ کے نام سے چھپا ہے

لہ ملاحظہ کریں شذرات الذہب ج ۶ صہ ۸۱۔ ٢ھ البدایہ والنہایہ ج ۱۳ صہ ۳۰۳۔ ٣ھ ج ا صہ ۱۵۳۔ ٤ھ ج ا صہ ۱۵۴

اس کے ص۵۸ میں لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب عرش سے سماء دنیا پر نزول کرتا ہے تو عرش خالی ہو جاتا ہے۔ یہ جماعت تھوڑی ہے، دوسری جماعت کہتی ہے، ہم متوقف ہیں اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ عرش خالی ہوا یا نہیں، اور تیسری جماعت کہتی ہے، نزول بھی ہوا اور عرش بھی خالی نہیں ہوا۔ خود ابن تیمیہ اس تیسری جماعت کے ہمنوا ہیں۔

ابن جہبل کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ابن تیمیہ اس بات کے قائل ہیں۔ اَنَّہٗ فَوْقَ الْعَرْشِ حقیقۃ کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے حقیقۃً۔ تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔

ابن جہبل نے اس سلسلہ میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"مَنْ زَعَمَ اَنَّ اللّٰہَ فِیْ شَیْءٍ اَوْعَلٰی شَیْءٍ فَقَدْ اَشْرَکَ اِذْ لَوْکَانَ فِیْ شَیْءٍ لَکَانَ مَحْصُوْرًا وَلَوْ کَانَ عَلٰی شَیْءٍ لَکَانَ مَحْمُوْلًا وَلَوْ کَانَ مِنْ شَیْءٍ لَکَانَ مُحْدَثًا"

جو خیال کرے کہ اللہ کسی شے میں ہے یا کسی شے سے ہے یا کسی شے پر ہے، اس نے شرک کیا، کیونکہ اگر وہ کسی شے میں ہوگا تو وہ گھرا ہوا ہے اور اگر کسی شے پر ہو تو وہ اٹھایا ہوا ہے اور اگر وہ کسی شے سے ہو تو وہ محدث ہے یعنی پیدا ہوا ہے (اس کی ایجاد ہوئی ہے)۔

عرش کی تخلیق ہوئی ہے۔ عرش کی تخلیق سے پہلے رب العزت جس حال میں تھا وہ اسی حال میں ہے۔ جمہور کا مسلک یہی ہے اور اسی میں عافیت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیوم ہے ہر شے کا قیام اس سے ہے، کیا عرش، کیا کرسی، کیا سماوات اور کیا زمین۔ اس کا قیام کسی شے سے نہیں ہے۔

ابن بطوطہ نے چشم دید بیان لکھا ہے کہ ابن تیمیہ منبر کی ایک سیڑھی اترے اور ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ دو سیڑھی اترے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی ایک کبھی دو سیڑھی اترے ہوں، دونوں صورتوں میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ نزول ہوا اور منبر خالی نہیں ہوا۔ یہی علامہ ابن تیمیہ کا مسلک ہے کہ اللہ نازل بھی ہوا اور عرش بھی خالی نہیں ہوا اور اسی کے اثبات کے لئے وہ منبر کی ایک یا دو سیڑھی اترے ہیں۔

میرے نزدیک علامہ ابن تیمیہ کے اس عمل میں کوئی انوکھا پن نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے اعتقاد کو عملی طور پر سمجھایا ہے۔ جیسے کوئی شخص وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ" (ساری زمین ایک مُٹھّی ہے) کی تلاوت کرتے وقت اپنی مُٹھی بند کرے یا "یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ" (اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں) پڑھتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کھولے۔

فوقیّت اور معیّت

سمجھ میں نہیں آتا، علامہ ابن تیمیہ کے پیروان، ابن بطوطہ کی اس روایت سے کیوں گھبرا رہے ہیں کیا ابن تیمیہ "انہ فوق العرش حقیقۃ بذاتہ" (پاک پروردگار عرش کے اوپر اپنی ذات سے ہے) کے قائل نہیں ہیں اور کیا معیّت کے سلسلہ میں انھوں نے

نہیں لکھاہے[۵۱] کہ هُوَمَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو) کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ مخلوق کے ساتھ مختلط ہے۔ بلکہ وہ عرش کے اوپر ہے' اپنی مخلوقات پر نظر رکھتا ہے' وہ اُن کا شاہد ہے اور ان پر مطلع ہے' اور لکھاہے۔ اَلْقَمَرُ آيةٌ من آياتِ الله من اصغر مخلوقاته وهو موضوع فى السماء وهو مع المسافر اينما كان۔ (ماہتاب اللہ کی آیات میں سے ایک آیت ہے' وہ اس کی مخلوقات میں اصغر ہے اور آسمان میں ہے۔ اس کی معیت مسافر اور غیر مسافر کے ساتھ ہر جگہ ہے)۔

انھوں نے اللہ تعالیٰ کی معیت کو علمی معیت قرار دے کر قمر کی مثال سے سمجھایا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اثبات فوقیت اور استقرار بر عرش کے سلسلہ میں جو عبارت لکھی ہے علامہ ابو حیان کی نظر سے گزری ہے اور اس سلسلہ میں انھوں نے لکھا ہے[۵۲]

وَاَمَّا اِسْتِوَاؤُهُ عَلَى الْعَرْشِ فَحَمَلَهُ عَلَى ظَاهِرِهٖ مِنَ الْاِسْتِقْرَارِ بِذَاتِهٖ عَلَى الْعَرْشِ قَوْمٌ تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ وَالْجَاحِدُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

ایک قوم نے عرش پر اللہ کے استواء کو ظاہر پر حمل کیا ہے کہ وہ عرش پر اپنی ذات سے مستقر ہے۔ ظالموں اور جاحدوں کی اس بات سے اللہ تبارک و تعالیٰ' بالا و برتر ہے۔

اسرائیلیات

علامہ ابن تیمیہ نے حدیث نزول کے بیان میں لکھا۔[۵۳]

اَلاسرائيليات تذكر على وجه المتابعة لا على وجه الاعتماد عليها۔

"اسرائیلیات کو دوسرے درجہ میں جس کو متابعت کہتے ہیں ذکر کیا جاسکتا ہے نہ صرف اسی پر اعتماد کرنے کے درجہ میں۔"

یہ قاعدہ بیان کرکے یہودیوں کا یہ افسانہ لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو بادل نے گھیر لیا' اور انھوں نے بادل میں سے یہ آواز سنی۔ "اے ایوب میں اللہ ہوں' میں تمہارے قریب آگیا ہوں اور تمہارے قریب نازل ہوتا ہوں۔"

علامہ ابن تیمیہ اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے واسطے اسرائیلیات تک کو لے رہے ہیں' حالانکہ مشکٰوۃ کے باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں امام احمد و بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی' ہم یہودیوں سے ان کی باتیں سنتے ہیں اور ہم کو بھلی لگتی ہیں کیا آپ کی اجازت ہے کہ ہم ان کو لکھ لیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى ۔ کیا تم بھی حیران ہوگئے ہو جس طرح پر یہود و نصاریٰ حیران ہوگئے ہیں۔ میں تمہارے پاس ایسی روشن اور صاف شریعت لایا ہوں کہ اگر موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے' بہ جز

---

[۵۱] ملاحظہ کریں رسالہ "العقیدۃ الواسطیہ" کو مجموعہ رسائل کبریٰ کے پہلے حصہ کے ص ۳۹۵ میں۔

[۵۲] تفسیر ابو حیان ج ۴ ص ۳۰۷۔ [۵۳] شرح حدیث النزول ص ۹۷۔

میری پیروی کے ان کے لئے کوئی راہ نہ تھی۔"

اگر اسرائیلیات میں بال برابر بھی فائدہ ہوتا تو حضرت عمرؓ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ، الخ نہ سنتے۔

علامہ ابن تیمیہ اپنے مسلک کے اثبات کے لئے اسرائیلیات تک سے گریز نہیں کرتے۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی جو تصویر بنائی ہے وہ کاملاً انسان کی شکل ہے، اس کو تخت پر (عرش پر) بٹھایا ہوا دکھایا ہے اس کے دونوں پاؤں لٹک رہے ہیں۔ یہی سب کچھ ابن تیمیہ کر رہے ہیں، وہ اپنے پیش رؤوں میں سے ان لوگوں کے اقوال لکھ رہے ہیں جن کو خود حنابلہ نے رد کیا ہے۔

علامہ ابن جوزی

یگانۂ دہر علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی معروف بہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ صدیقی نسب، حنبلی مذہب، صاحب تصانیف کثیرہ کے متعلق ابن عماد نے لکھا ہے [۱]۔

سئل عن عدد تصانيفه فقال زيادة على ثلاثمائة واربعين مصنفا منها ما هو عشرون مجلدًا واقل وقال الحافظ الذهبی ما علمت ان احدًا من العلماء صنف ما صنف هذا الرجل۔

ان سے تصنیفات کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا کہ تین سو چالیس سے زائد ہیں۔ ان میں سے کوئی تصنیف بیس جلدوں میں ہے اور کوئی کم ہے، حافظ ذہبی نے کہا ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ علماء میں سے کسی نے اتنی تصنیفات کی ہوں۔ رحمہ اللہ۔

آپ نے ایک کتاب "دَفْعُ شُبَهِ التَّشْبِيهِ وَالرَّدِّ عَلَى الْمُجَسِّمَةِ" لکھی ہے، استاد ابوزہرہ نے اپنی کتاب "ابن تیمیہ" میں ص ۲۷۲ سے ص ۲۷۶ تک، اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ مختصر طور پر کچھ حصہ مفہوم بیان کرتا ہوں۔ لکھا ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے (یعنی حنابلہ میں سے) جن افراد نے اصول میں (عقائد میں) غیر مناسب کلام کیا ہے، ان میں سے تین افراد نے کتابیں لکھی ہیں۔

۱۔ ابوعبداللہ ابن حامد متوفی ۴۰۳ھ۔

۲۔ قاضی ابویعلی متوفی ۴۵۸ھ۔

۳۔ ابوالحسن علی ابن زاغوانی متوفی ۵۲۷ھ۔

ان تینوں نے کتابیں لکھ کر حنبلی مذہب کو بدنام کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ عوام الناس کے درجے پر اُتر آئے ہیں۔ انھوں نے اللہ کی صفات کو مقتضائے حس پر حمل کر لیا ہے۔ انھوں نے حدیث اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ سُنِّی ــ (اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) اور اللہ کے واسطے، زائد علی الذات، صورت اور چہرے کا اثبات کر دیا۔ بلکہ دو آنکھیں، منہ، لہوات، (کوا) اضراس، (ڈاڑھ)

---

[۱] شذرات الذہب ج ۴ ص ۳۳۱

اَضواء لوجہہ (چہرے کے لئے نور) دو ہاتھ، انگلیاں، ہتیلی، چھنگلیا، انگوٹھا، سینہ، ران، پنڈلیاں، اور دو پاؤں ثابت کر دیئے اور سر کے متعلق کہدیا۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ ہم نے کچھ سنا نہیں ہے۔ ان لوگوں نے اسماء اور صفات کے ظاہر کو لیا ہے اور ان کا نام صفات رکھدیا ہے۔ تَسْمِيَةٌ مُبْتَدَعَةٌ (نیا نام رکھنا ہے) ان کے پاس نہ عَقلاً کوئی دلیل ہے اور نہ نقلاً، اِن لوگوں نے اُن نصوص کی طرف توجہ نہیں کی جو ظواہر سے معانی واجبہ للہِ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہیں۔

یہ لوگ تشبیہ کے نام سے بگڑتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ہم اہل سنّت ہیں۔ حالاں کہ ان کا کلام صریح تشبیہ ہے۔ عوام الناس میں سے ایک مخلوق ان کی پیرو ہو گئی ہے۔ میں نے پیروان اور سروران کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ تم اپنے امام، حضرت احمد کو دیکھو، ان پر کوڑے برسائے جا رہے تھے اور وہ یہی فرماتے رہے، "میں ایسی بات کس طرح کہہ دوں جو نہ کہی گئی ہو۔"

اور علامہ ابن جوزی نے ان لوگوں کی سات غلطیاں گنائی ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ ان لوگوں نے اخبار کو، اخبارِ صفات قرار دے دیا ہے۔ حالاں کہ وہ اضافات ہیں اور ہر مضاف صفت نہیں ہوا کرتا۔ اللہ نے کہا ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي۔ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ روح کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہے۔ حالانکہ اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت روح نہیں۔ جو لوگ مضاف کو صفت قرار دیتے ہیں وہ نئی بات نکال رہے ہیں۔

۲۔ یہ لوگ احادیث صفات کو متشابہات میں سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور متشابہ وہ ہے جس کے معنی کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اور پھر یہ لوگ کہتے ہیں، ہم ان احادیث کو ظاہر پر حمل کریں گے، فَوَاعَجَبًا (کیا انوکھی بات ہے) جس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہ جانے، اس کا ظاہر ہی کیا، ظاہری معنی کے لحاظ سے استواء کے معنی بیٹھنے کے اور نزول کے معنی منتقل ہونے کے علاوہ اور کیا ہے۔

۳۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے صفات ثابت کرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ کی صفات کو اسی طرح قطعی دلیل سے ثابت کرنا چاہئے جس طرح اللہ کی ذات کا اثبات قطعی دلیلوں سے کیا گیا ہے۔

۴۔ یہ لوگ صفات کے ثابت کرنے کے سلسلہ میں خبرِ مشہور اور خبرِ غیر صحیح کے مابین فرق نہیں کرتے، خبرِ مشہور کی مثال "يَنْزِلُ اللهُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا" ہے۔ اللہ دنیا کے آسمان پر اترتا ہے، اور خبرِ غیر صحیح کی مثال رَأَيْتُ رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ" میں نے اپنے پروردگار کو بہت اچھی صورت میں دیکھا۔

۵۔ یہ لوگ حدیث مرفوع اور حدیث مقطوع میں فرق نہیں کرتے، مرفوع وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہو اور مقطوع وہ ہے جو صحابی یا تابعی پر رُک گئی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہ کی گئی ہو۔

۶۔ یہ لوگ بعض الفاظ کی کسی جگہ تاویل کرتے ہیں اور کسی جگہ نہیں کرتے۔ جیسے مَنْ أَتَانِي يَمْشِي

اَتَیۡتُہٗ ھَرۡوَلَۃً۔ جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف لپک کر جاتا ہوں۔ اس جگہ یہ لوگ کہتے ہیں ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِلۡاِنۡعَامِ۔ اللہ نے انعام کرنے کے لئے ایک مثال بیان کی ہے۔

۷۔ یہ لوگ احادیث کو مقتضائے حِس پر حمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اللہ اپنی ذات سے نزول کرتا ہے۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور گھومتا ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ لَاکَمَا نَعۡقِلُ۔ نہ جیسے کہ ہم سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ سننے والوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ اور عقل کے ساتھ اور حس کے ساتھ سینہ زوریاں کرتے ہیں۔

استاذ ابوزہرہ کیا کہتے ہیں

استاذ ابوزہرہ کا بیان پہلے گذر چکا ہے انھوں نے حضرات ائمہ ثلاثہ، ابوحنیفہ، مالک اور شافعی کو ابن تیمیہ کے مقابلہ میں لانا پسند نہیں کیا تھا، پھر انھوں نے لکھا ہے [۱]

ابن تیمیہ نے کوئی نئی بات نہیں لکھی ہے اور مسئلہ صفات میں وہی بات کہی ہے جو اُن سے پہلے کہی جا چکی ہے۔ وَلٰکِنَّ السَّابِقَ لَمۡ یسعف ببیان قوی کبیان ابن تیمیۃ ولم یسعف ببدیھۃ حاضرۃ کبدیھتہ یعنی پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو ابن تیمیہ سا زورِ بیان اور حاضر جوابی کہاں ملی تھی۔

لیکن اب علامہ ابن جوزی کے کلام کو لکھ کر استاذ ابوزہرہ کو کہنا پڑا۔ " باوجود سعی وتلاش کے مجھ کو پتہ نہ چل سکا کہ علامہ ابن تیمیہ نے علامہ ابن جوزی کے کلام کا رد لکھا ہو" اور یہ بھی لکھنا پڑا۔ "یقیناً سلف میں سے بعض افراد نے بعض عبارات میں توقف کیا ہے جیسے لفظ اِستوا ہے۔ اس کا ترجمہ نہیں کیا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ سلف نے بعض عبارات کا بیان از روئے مجاز کیا ہے، جیسے جَآءَ رَبُّکَ ہے۔ اس کا بیان "جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ" سے کیا ہے یعنی آیا تمہارے پروردگار کا حکم"۔

علامہ ابن جوزی نے جن افراد کا رد لکھا ہے ابن تیمیہ نے ان کا اتباع خوب کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ اپنی ذات سے عرش کے اوپر حقیقۃً ہے۔ اور اللہ کے واسطے جہتِ فوق ثابت کرتے ہیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر استاذ ابوزہرہ کو لکھنا پڑا۔ [۲]

وَبَعۡدَ ھٰذا العرض للانظار المختلفۃ ننتھی الی اننا لانمیل الی طریقۃ ابن تیمیۃ فی فھم المتشابہ لانھا تفضی بنا الی توھم التشبیہ والتجسیم، وخصوصا بالنسبۃ للعامۃ، ونرتضی بلاریب طریقۃ الغزالی فی تقریب الالفاظ۔ ذلک التقریب الفکری المستقیم۔

ونری ان تخریج کلام السلف علی منہاج الغزالی اَسلم، ولانسوغ لانفسنا ان نقول متھجمین علی ابن تیمیۃ اِنہ اَحق واصدق ولٰکن نقول بلاریب انہ ادق و اسلم واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

[۱] ملاحظہ کریں ص۳۷۸ [۲] ملاحظہ کریں ص۲۹۳

ان مختلف نظریات و افکار کو پیش کرنے کے بعد ہم اس بات پر پہنچے ہیں کہ متشابہات کے سمجھنے میں ہم ابن تیمیہ کے طریقہ کی طرف مائل نہیں ہیں کیوں کہ ان کا طریقہ ہم کو تشبیہ اور تجسیم کے واہمہ میں ڈالتا ہے اور خاص کر عوام کو اور ہم بلاشک غزالی کے طریقہ کو الفاظ کے قریب لانے کے سلسلہ میں پسند کرتے ہیں، ایسا قریب لانا جو فکرِ مستقیم پر مبنی ہے۔

اور ہم سمجھتے ہیں کہ سلف کے کلام کی تخریج غزالی کے طریقہ پر اسلم ہے اور ہم اپنے لئے اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ابن تیمیہ پر حملہ کرتے ہوئے ہم غزالی کے طریقہ کو احق اور اصدق کہیں، لیکن ہم بلاشک اس کو زیادہ دقیق اور خوب سلامتی والا کہیں گے۔

علامہ ابن الہمام کی تحریر

علامہ ابن تیمیہ نے تیس سال ان مسائل کے حل کرنے میں صرف کئے ہیں، ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے[۱] "شہر ربیع الاول ۶۹۸ھ میں پہلی مرتبہ علماء کرام فتویٰ حمویہ کے سلسلہ میں ان کے خلاف اٹھے۔" ان مسائل میں جتنا ان کا شغف بڑھتا گیا، علماء کرام ان سے کٹتے گئے۔ علامہ ابن تیمیہ نے صدہا صفحات ان مسائل سے سیاہ کئے اور بات جہاں تھی وہاں کی وہیں رہی۔ اب میں المحقق علی الاطلاق علامہ ابن الہمام کی مختصر عبارت لکھتا ہوں تاکہ اہل سنت و جماعت کا صحیح مسلک سامنے آجائے۔ لکھا ہے:[۲]

الأصل الثامن، انه تعالیٰ استوی علی العرش مع الحکم بانه لیس کاستواء الاجسام من التمکن والمماسة والمحاذاة بل بمعنی یلیق به هو سبحانه اعلم به وحاصله وجوب الایمان بأنه استوی علی العرش مع نفی التشبیه فاما کون المراد انه استیلاؤه علی العرش فأمر جائز الارادة اذ لا دلیل علی ارادته عینا فالواجب عینا ما ذکرنا واذا خیف علی العامة عدم فهم الاستواء اذا لم یکن بمعنی الاستیلاء الا باتصال ونحوه من لوازم الجسمیة وان لاینفوه فلا بأس بصرف فهمهم الی الاستیلاء فانه قد ثبت اطلاقه وارادته لغة فی قوله. قد استوی بشر علی العراق، وقوله. فلما علونا واستوینا علیهم ؛ جعلناهم مرعی لنسر وطائر. وعلی نحو ما ذکرنا کل ما ورد مما ظاهره الجسمیة فی الشاهد کالاصبع والقدم والید. فان الید وکذا الاصبع وغیره صفة له تعالیٰ لا بمعنی الجارحة بل علی وجه یلیق به وهو سبحانه اعلم به. وقد تؤول الید والاصبع بالقدرة والقهر والیمین فی قوله صلی الله علیه وسلم الحجر یمین الله فی الارض علی التشریف والاکرام لما ذکرنا من صرف فهم العامة عن الجسمیة وهو ممکن ان یراد ولا یجزم بارادته خصوصا علی قول اصحابنا انها من المتشابهات وحکم المتشابه انقطاع رجاء معرفة المراد منه فی هذه الدار والا لکان قد علم۔ اھ۔

---

[۱] درر کامنہ ج ۱ ص ۱۴۵۔ [۲] المسایرہ فی العقائد المنجیہ فی الآخرہ ج ۱ ص ۳۱

آٹھویں اصل۔ یقیناً عرش پر اللہ تعالیٰ کا استوار ہے، ساتھ ہی اس کا یقین رکھنا ہے کہ اللہ کا استواٗ اجسام کے استوار کی طرح نہیں ہے کہ ایک جسم دوسرے جسم پر متمکن ہو یا اس سے چھو رہا ہو یا اس کے محاذات میں ہو بلکہ اس معنی میں ہے جو اللہ کے شایانِ شان ہے اور جس کا علم اُسی کو ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس پر ایمان واجب ہے کہ اللہ کا استوار عرش پر ہے مع نفی تشبیہ کے۔ اور اگر عرش پر استوار کا بیان عرش پر استیلار سے کیا جائے تو ایسا بیان کرنا جائز ہے لیکن یہ بات یقینی نہیں ہے کیوں کہ اس معنی کے متعین ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ متعین صرف وہی بات ہے جو ہم کہہ چکے ہیں اور اگر عوام الناس کے متعلق کھٹکا ہو کہ وہ استوار سے بیان کرنے کی صورت میں اُن معانی کی نفی نہیں کریں گے جو جسمیّت کے لوازمات میں سے ہے، جیسے اتصال، تمکن وغیرہ تو عوام کے ذہن کو ان لوازمات سے بچانے کے لئے۔ استوار کا بیان استیلا (غالب آنا) سے کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ از روئے لغت استیلار کے معنی میں استوار کا استعمال ہوا ہے۔ عرب نے کہا ہے۔ عراق پر بشر کا استوار ہو گیا یعنی اس کا استیلا ہو گیا۔ اور عرب نے کہا ہے۔ جب ہم بھاری پڑے اور عراق پر بشر کا استوار ہو گیا تو ہم نے ان کو (دشمنوں کو) چیل اور پرندوں کی غذا بنا دیا (یہاں استوار استیلار کے معنی میں ہے) جو بیان ہمارا اِستوا کے متعلق ہے یہی بیان ان تمام الفاظ کے متعلق ہے جو بہ ظاہر جسمیّت کے ساتھ نظر آتے ہیں، جیسے انگلی، قدم، ہاتھ۔ کیوں کہ اس طرح کے وارد الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اُن میں جارحیت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی کیفیات ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں۔ البتہ ہم عوام کے ذہن کو جسمیّت کے معانی سے ہٹانے کے لئے ان کی تاویل کر سکتے ہیں۔ مثلاً ہاتھ اور انگلی کی تاویل قدرت اور غلبہ سے اور اسی طرح یمین اللہ کی جو حجر اسود کے متعلق وارد ہے۔ تکریم اور تعظیم سے تاویل کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ایسی تاویلات کو قطعی نہ سمجھا جائے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک ایسے تمام الفاظ متشابہات میں سے ہیں اور متشابہ کا حکم یہ ہے کہ اِس دنیا میں ان کی مراد سمجھنے سے امید منقطع ہو چکی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی ان کا علم ہو گیا ہوتا۔"

سبحان اللہ! کیا مختصر، جامع اور ایمان پرور تحریر ہے۔ نہ عرش کے غُلو کا بیان ہے، نہ نور قمر سے بحث اور نہ اسرائیلیات کی خرافات کا ذکر، یہ ہے مصداق "مَاقَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَالْهٰى" کا یعنی جو کم ہو اور کافی ہو، وہ بہتر ہے اس سے جو بہت ہو اور پراگندگی کا سبب بنے۔

شیخ اکبر قطب الاقطاب حضرت محمد بن علی حاتمی اندلسی معروف بہ ابن عربی ملقب بہ شیخ اکبر، شب دوشنبہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ کو اندلس میں متولد ہوئے اور آپ کی وفات شب جمعہ ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ کو دمشق میں ہوئی، اور جبلِ قاسیون میں مدفون ہوئے، وہ پہاڑی حصہ اب صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ یوسف نبہانی نے لکھا ہے [۱] کہ "حضرت ابن عربی کو شیخ اکبر کا خطاب شیخ الشیوخ غوث زمان البومدین نے دیا ہے۔" آپ نے علم ظاہر بہ تمام و کمال، علماء اعلام سے اور علم باطن شیخ جمال الدین یونس قصار سے حاصل کیا، شیخ قصار غوث اعظم حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ تھے۔ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمُ الْعَلِیَّۃَ۔

حضرت نورالدین عبدالرحمٰن جامی قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّامِی نے لکھا ہے [۲] آپ کی تصنیفات پانچ سو سے زیادہ ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے [۳]۔ ان کی تصنیفات بہت ہیں۔ اگر کوئی تصنیف ایک کراسہ (آٹھ ورقی جزء) کی ہے تو کوئی ایک سو جلدوں میں ہے۔ انھوں نے ایک تفسیر لکھی۔ اس کا نام التفصیل فی اسرار معانی التنزیل ہے۔ سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ تک چونسٹھ جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ اس تفسیر کا بیشتر حصہ لوگوں نے چرالیا ہے۔

آپ کی کتابوں میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم بہت مشہور ہیں، شیخ بزرگوار حضرت خواجہ محمد پارسا خلیفۂ حضرت سید محمد بہاء الدین نقشبند امام الطریقہ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَھُمَا کے متعلق مولانا جامی نے لکھا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ فُصُوص جان ہے اور فُتُوحَات دِل۔ اور جامی نے لکھا ہے۔ جس قدر حقائق اور اسرار کا بیان ان دو کتابوں میں ہے، کسی دوسری کتاب میں نہیں، اور نہ اس طائفۂ مبارکہ میں سے کسی نے ایسے اسرار و حقائق بیان کئے ہیں، آپ پر طعن کرنے والوں کی وجہ تقلید اور تعصب ہے، یا اصطلاحات سے ناواقفی۔

مرآۃ الجنان [۴]۔ نفحات الانس اور شذرات الذہب [۵] میں لکھا ہے:

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اکبر ابن عربی کا آمنا سامنا راستہ میں ہوگیا۔ ایک نے دوسرے پر نظر ڈالی اور ہر ایک اپنی راہ پر ہولیا۔ بعد میں کسی نے ابن عربی سے سہروردی کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ رَجُلٌ مَمْلُوْءٌ مِنْ فَرْقِہٖ اِلٰی قَدَمِہٖ مِنَ السُّنَّۃِ۔ ایسے شخص ہیں کہ از سر تا قدم سنت سے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر اس نے سہروردی سے ابن عربی کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا —— ھُوَ بَحْرُ الْحَقَائِقِ وہ حقائق کا سمندر ہیں۔

حضرت شیخ ابن العربی قُدِّسَ سِرُّہٗ آیَاتِ الٰہیہ میں سے ایک آیتِ باہرہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر اسرار و معارف اور حقائق کے دروازے کھول دیئے تھے، ان کی قدر و منزلت وہی افراد جان سکتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر اور علم باطن عنایت کیا ہے، شیخ یوسف امام صفدی نے فرمایا ہے [۶]

---

[۱] جامع کرامات الاولیاء ج ۱ ص ۱۱۹۔ [۲] نفحات الانس قلمی ص ۶۹۳۔ [۳] لسان المیزان ج ۵ ص ۳۱۳۔ [۴] ملاحظہ کریں ج ۴ ص ۱۰۱

[۵] ملاحظہ کریں ج ۵ ص ۱۹۳۔ [۶] ملاحظہ کریں شذرات الذہب ج ۵ ص ۱۹۱، ۱۹۲۔

"یہ علم جس کی نسبت ابن عربی کی طرف کی جاتی ہے ان کی ایجاد نہیں ہے، البتہ وہ اس فن میں ماہر تھے، اس فن کے واقف کاروں کا قول ہے کہ اس کی معرفت کشف سے ہوتی ہے۔"

جب زین الدین خافی سے امام صفدی کی بات کہی گئی، آپ نے فرمایا۔ "ان کی یہ بات اچھی ہے اور میں اس پر اضافہ کرتا ہوں کہ جب بندہ اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہوکر حقائق سے آگاہ ہوجاتا ہے، اس کو جذبات الٰہیہ کھینچ لیتی ہیں، اس وقت اس کی ذات مضمحل اور اس کی صفات ناپید ہوجاتی ہیں، وہ ماسویٰ اللہ سے پوری طرح آزاد ہوجاتا ہے، اس وقت اس پر تجلیات الٰہیہ کا ورود ہوتا ہے اور وہ بہ تمام و کمال حق تعالیٰ میں فانی ہوجاتا ہے، اس سے ہر شے غائب ہوجاتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ ہر شے کا عین اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ پہلا مقام ہے اور جب اللہ کی عنایت سے اس سے اعلیٰ مقام کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تمام اشیاء کو وجود الٰہیہ کا فیضان پاتا ہے، عین وجود الٰہیہ نہیں پاتا۔"

ولی پروردگار شیخ عبدالغنی نابلسی نے حضرت شیخ اکبر، ابن فارض، عفیف تلمسانی اور..... ابن سبعین و عبدالکریم جیلی کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے [۱]

"انہم قائلون بوحدۃ الوجود ہم واتباعہم الیٰ یوم القیامۃ ان شاء اللہ تعالیٰ ولیس قولہم بذلک مخالفا لما علیہ ائمۃ اہل السنۃ والجماعۃ وحاشاہم من المخالفۃ وانما المنکر علیہم وعلیٰ امثالہم انکر من قصور فہمہ وقلۃ معرفتہ باصطلاحہم وعدم علمہ بان علومہم مبنیۃ علی الکشف والعیان وعلوم غیرہم مستعارۃ من الخواطر الفکریۃ والاذہان، وبدایۃ طریقہم التقوی والعمل الصالح وبدایۃ طریق غیرہم مطالعۃ الکتب والاستمداد من المخلوقین فی حصول المصالح۔ ونہایۃ علومہم الوصول الیٰ شہود حضرۃ الحی القیوم ونہایۃ علوم غیرہم تحصیل الوظائف وجمع الحطام الذی لا یدوم۔"

یہ حضرات اور ان کے پیروان، اگر اللہ نے چاہا۔ قیامت تک وحدتِ وجود کے قائل ہیں۔ اور ان کا قول ائمۂ اہل سنّت وجماعت کے مسلک کے خلاف نہیں ہے۔ وہ مخالفت سے پاک ہیں۔ ان پر اور ان کے امثال پر انکار کرنے والوں کا انکار، ان کے فہم کی کوتاہی اور مشائخ کی اصطلاحات سے کم واقفی ہے اور نیز اُن کی اس بات سے لاعلمی ہے کہ ان حضرات کے علوم کی بنا اور اساس کشف اور عیان پر ہے جب کہ اُن کے اغیار کا علم فکری خیالات اور اذہان سے لیا گیا ہے، ان حضرات کے طریقہ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ڈر اور نیک اعمال پر ہے اور ان کے غیروں کی ابتدا کتابوں کے مطالعہ اور مخلوق سے مصالح کے حاصل کرنے پر ہے۔ اور ان حضرات کے علوم کی انتہا حضرت حی قیوم کا شہود ہے اور ان کے غیروں کے علوم کا اختتام وظائف کا حاصل کرنا اور منافع فانیہ کے جمع کرنے پر ہے۔ الخ۔

---

[۱] آپ نے رسالہ "ایضاح المقصود من معنی وحدۃ الوجود" میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کو "الأب اغناطیوس عبدہ خلیفۃ الیسوعی" نے کسی مجموعہ میں ص۳۰۶ سے ص۳۱۷ تک بارہ صفحات میں چھاپا ہے۔ میرے پاس ان بارہ صفحات کی فوٹو اسٹیٹ..... کاپیاں ہیں۔ ص۳۰۷ پر یہ عبارت ہے۔

حضرت عبدالغنی نابلسی علماء اعلام اور اولیاء کرام میں سے ایک فرد اکمل تھے آپ صاحب تصانیف تھے۔ اصحاب توحید وجودی کے متعلق آپ کا بیان حجّت ہے۔

حضرت مجدّد قدس سرہ اس راہ کے نشیب و فراز سے پوری طرح واقف تھے، آپ توحید وجودی کے اسرار و معارف سے آگاہ تھے۔ آپ نے توحید وجودی کو مقام قلب سے وابستہ کیا ہے اور فرمایا ہے[۱]

"جب اللہ تعالیٰ اس مقام (مقام قلب) سے بالا ترلے جاتا ہے تو یہ احوال و کیفیات رو بہ زوال ہو جاتی ہیں۔ جتنا آگے بڑھے گا اتنا ہی ان احوال سے مناسبت کم ہوتی جائے گی۔"

اور آپ نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے علو قدر کا بیان اس طرح کیا ہے[۲]

"اس جماعت (جماعتِ صوفیۂ صافیہ) میں شیخ اکبر سے پہلے کسی نے بھی ان علوم و اسرار میں زبان نہ کھولی تھی اور اس حقیقت کو کسی نے بھی اس طرح بیان نہ کیا تھا، اگرچہ مدہوشی اور سُکر کی حالت میں اُن کی زبان پر "انا الحق" اور "سبحانی" جیسے الفاظ جاری ہوئے ہیں، لیکن اتحاد کی وجہ اور توحید کی منشاء کو کوئی نہ پا سکا تھا۔ جناب شیخ اکبر کی ذات اس جماعت کے متقدمین کے واسطے بُرہان اور متاخرین کے واسطے حجّت ہے۔"

اور آپ نے حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے مساعی جمیلہ کو سراہتے ہوئے تحریر فرمایا ہے[۳]

"متقدمین کے زمانہ میں توحید کا مسئلہ اچھی طرح تحریر میں نہ آسکا تھا، جو شخص مغلوب الاحوال ہوتا تھا اس کی زبان پر سُکر آمیز کلمات جاری ہو جاتے تھے۔ وہ سُکر و مدہوشی کے غلبہ کی وجہ سے اس کی تہہ تک نہیں پہنچتا تھا اور نہ اس بھید کو پا سکتا تھا جب شیخ بزرگوار محی الدین ابن عربی کی نوبت آئی۔ آپ نے اس دقیق مسئلہ کو خوب شرح و بسط سے بیان کیا۔ انھوں نے علم نحو و صرف کی طرح اس مسئلہ کو مُبَوّب اور مُفصّل (بابوں اور فصلوں میں) بیان کر کے مُدَوَّن کیا۔ باوجود اس کے پھر بھی ایک جماعت آپ کے مطلب کو نہ سمجھ سکی اور اس نے آپ کو غلطی پر قرار دے کر آپ پر طعن و ملامت کی۔ حالاں کہ اس مسئلہ میں جناب شیخ اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور آپ پر طعن کرنے والے ناحق پر۔ اس مسئلہ کے حل اور بیان کرنے سے جناب شیخ کی بزرگی اور آپ کے علم کی بے پایانی کا اندازہ لگانا چاہئے، نہ یہ کہ اُن کو رد اور ان پر لعن طعن کی جائے۔"

وہ حضرات عالی قدر جو حَامِلُ الوعائین تھے، جن کے پاک سینوں کو رَبّ العِزّت نے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ "... بنا دیا تھا، ان میں "دو دریا بہائے، ان کے بیچ میں روک رکھی، ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتا۔" یہ دو دریا بحرِ شریعت اور بحرِ طریقت ہیں اور وہ روک میانہ روی ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہے۔ ایسے گرامی قدر والا منزلت حضرات جناب شیخ اکبر کی

---

[۱] ملاحظہ کریں مکتوبات شریف کا دفتر اول مکتوب ۲۹۱۔ [۲] ملاحظہ کریں دفتر دوم مکتوب ۷۔ [۳] ملاحظہ کریں دفتر سوم مکتوب ۸۹۔

بزرگی اور جلالتِ قدر کے قائل تھے۔

مضَتِ الدُّھُورُ وَمَا اَتَینَ بِمِثْلِہٖ وَلَقَدْ اَتٰی فَعجزنَ عَنْ نُظَرائِہٖ

"زمانے گزرے اور ان کا مثل نہ لائے، اور وہ آئے تو اُن کی نظیر لانے سے عاجز رہے"

(آپ نے علومِ کسبیہ اور علومِ وہبیہ کو جمع کر لیا تھا، توحید کا عِلْماً، خِلْقاً، خُلُقاً ایسا غلبہ ہو گیا تھا کہ کسی وجود کی پروا نہ رہی تھی، چاہے وہ مُقبِل ہو، چاہے مُعرِض، آپ کو اپنے کام سے کام تھا، نہ کسی سے مدح وثنا کے طالب، نہ کسی کے سب وشتم کی پروا، بلکہ برا کہنے والوں پر مزید لطف وکرم کیا کرتے تھے، دمشق کے ایک شخص نے اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا کہ دس مرتبہ ہر روز آپ پر لعنت کیا کرے۔ جب اس کی وفات ہوئی اور آپ اس کے جنازہ میں شریک ہوئے، آپ پر اثر ہوا اور فوراً گھر تشریف لا کر قبلہ رُو ہو کر بیٹھ گئے، کھانے کا وقت ہوا، آپ اپنی جگہ پر رہے۔ صبح سے عشاء تک اپنے شغل میں مصروف رہے۔ پھر آپ خوش خوش اٹھے، اور کھانا کھایا، آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی، جب تک اس شخص کی مغفرت نہ ہو جائے میں کھانا نہ کھاؤں گا اور میں نے ستر ہزار مرتبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پڑھ کر اس کو ثواب بخشا اور اس کی بخشش ہو گئی۔

آپ کو آپ کی حیات میں اور ممات میں بہت ایذا پہنچائی گئی ہے اور اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس سلسلہ میں آپ نے خبر بھی دی ہے، فتوحات میں آپ نے لکھا ہے۔ مقام ابراہیم کے پاس میں سو رہا تھا، مجھ سے مَلاَءِ اعلیٰ کی ارواح میں سے ایک روح نے اللہ تعالیٰ کی بات کہی۔ "اُدْخُلْ مَقَامَ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّہٗ کَانَ اَوَّاھًا حَلِیْمًا" مقامِ ابراہیم میں داخل ہو، وہ رحم دل اور تحمّل والے تھے۔" اس بات سے میں یہ سمجھا کہ مجھ کو بہت ایذا پہنچائی جائے گی کیونکہ حلیم مبالغہ کا صیغہ ہے اور اَوّاہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہ کثرت تأوّہ کرے۔ لہٰذا مجھ کو حِلم کرنا چاہئے۔ آپ پر جو کشف ہوا اس کا ظہور ہوا، اور جو حکم ملا اس پر پوری طرح عمل کیا، اللہ کی رحمتیں آپ پر ہمیشہ نازل ہوں[1]

شیخ اکبرؒ کے کلام کی کُنجی

اگر علامہ ابن تیمیہ نے شیخ اکبر کو اس اُمّت کا شیطان قرار دیا ہے[2] اُن کے کلام کی کنجی بھی بنائی ہے۔ اس سلسلہ میں استاد ابوزہرہ کے کلام کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ لکھا ہے[3]

وہ اساس جس پر وحدۃ الوجود کا نظریہ قائم کیا گیا ہے یہ ہے کہ مخلوقات کا وجود، کیا جنّات، شیاطین، کفّار، فاسقین، کتّے، خنازیر اور کیا نجاسات، کفر، فسوق، عصیان کا وجود عین وجود رب ہے۔ لَا اَنَّہٗ مُتَمَیِّزٌ عَنْہُ مُنْفَصِلٌ فِیْ ذَاتِہٖ وَاِنْ کَانَ مَخْلُوْقًا مَرْبُوْبًا مَصْنُوْعًا لَہٗ قَائِمًا بِہٖ۔ نہ یہ کہ ان کا وجود رب کے وجود سے متمیز اور منفصل ہو۔ اگرچہ ان کا وجود ربّ تعالیٰ کا مَربُوب، مخلوق اور مصنوع ہو اور اُسی سے

---

[1] بین القوسین عبارت شذرات الذہب سے لی ہے۔ [2] امام ابن تیمیہ از کوکنی ص ۶۱۵۔ [3] کتاب ابن تیمیہ ص ۳۳۱، ۳۳۲۔

ان کا قیام ہو۔

ان لوگوں نے مشاہدہ کیا کہ کائنات میں کثرت ہے اور اس کثرت کو عقل اور حس دیکھتی اور سمجھتی ہے لہذا ان کو ایسے قاعدہ کی ضرورت ہوئی جس سے کثرت زائل اور وحدت ثابت ہو۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے۔

"وُجُودُ الْخَلْقِ هُوَ وُجُودُ الْحَقِّ وَعَيْنُهُ" خلق کا وجود ہی حق کا عین وجود ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا ایک خیال

استاذ بیطار نے علامہ ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔[۱] "كُلُّ مَنْ خَالَفَنِي فِي شَيْءٍ مِمَّا كَتَبْتُهُ فَأَنَا أَعْلَمُ بِمَذْهَبِهِ مِنْهُ" جو بھی میری تحریر میں میری مخالفت کرے گا، میں اس کے مذہب کو اس سے زیادہ جانتا ہوں۔

اس میں کلام نہیں کہ علامہ ابن تیمیہ کا علم بہت وسیع تھا، حافظہ نہایت قوی تھا، مذاہب اسلامی کا مطالعہ خوب کیا تھا، اور اس میں بھی شک نہیں کہ گھر کے خبایا اور خفایا سے گھر والا ہی واقف ہوتا ہے۔[۲] علامہ ابن تیمیہ کی نشو نما حنبلی مذہب میں ہوئی، اسی مذہب کو انھوں نے اساتذہ سے حاصل کیا، دوسرے مذاہب کا حسب ضرورت مطالعہ کیا، جو فرق استاذ سے پڑھنے اور خود مطالعہ کرنے میں ہے، وہی فرق اپنے مذہب اور دیگر مذاہب کے سمجھنے میں ہے اور اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ حنبلی مذہب کے بیان میں ان کا قول حجت ہے لیکن دوسرے مذاہب کے بیان میں حجت نہیں جو حکم دوسرے مذاہب کا ہے وہی حکم حضرات مشائخ صوفیہ کا ہے۔ ابن عماد نے کیا خوب قول نقل کیا ہے[۳]

وَمَا أَحْسَنَ قَوْلُ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ لِرَجُلٍ وَقَدْ سَأَلَهُ أَنْ يَقْرَأَ عَلَيْهِ تَائِيَّةَ ابْنِ الْفَارِضِ فَقَالَ لَهُ دَعْ عَنْكَ هٰذَا، مَنْ جَاعَ جُوْعَ الْقَوْمِ وَسَهِرَ سَهْرَهُمْ رَأَى مَا رَأَوْا۔

"کیا ہی اچھی بات بعض علماء نے اس شخص سے کہی ہے جس نے ابن فارض کے قصیدۂ تائیہ کے پڑھانے اور بیان کرنے کی فرمائش اُن سے کی۔ کہ تم اس کے پڑھنے پڑھانے کو چھوڑ دو۔ جو شخص اس جماعتِ صوفیہ کی طرح فاقہ کشی اختیار کرے گا اور شب باشی میں مصروف رہے گا، وہ خود ان امور کا مشاہدہ کرے گا جن کا مشاہدہ ان افراد نے کیا ہے۔"

شیخ مرشدی کا واقعہ

علامہ ابن تیمیہ کے زمانہ میں ایک ولی کامل محمد بن عبد اللہ بن ابی المجد ابراہیم کا قیام مرشد کھلان میں تھا۔ یہ ایک چھوٹا گاؤں ہے۔

---

[۱] ملاحظہ کریں کتاب حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص۳۱۔ [۲] اس کی واضح مثال استحسان کی اصطلاح ہے، حنفیہ نے قیاس خفی کو استحسان کا نام دیا ہے، دوسرے مذاہب کے اکابر کو اس نام سے مغالطہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ بلا دلیل شرعی حکم کرنے کا نام استحسان ہے، لہذا انھوں نے کہدیا "مَنِ اسْتَحْسَنَ فَقَدْ شَرَعَ" جس نے استحسان کیا اس نے شریعت بنائی۔ اور جب ان حضرات پر حقیقت واضح ہوئی، فرمایا "هٰذَا مِمَّا لَا يُنْكِرُهُ أَحَدٌ" یہ ایسی بات ہے کہ اس کا انکار اور اس پر رد کوئی نہیں کرتا۔ [۳] ملاحظہ کریں شذرات الذہب ج ۵ ص۱۹۱۔

اسی گاؤں کی نسبت سے آپ کی شہرت المرشدی سے تھی۔ آپ کی وفات ماہ رمضان ۷۳۷ھ میں ہوئی ہے، ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں، امام یافعی نے مرآۃ الجنان میں اور ابن عماد نے شذرات الذہب میں ۷۳۷ھ کے واقعات میں اور ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۴۶۲ میں اور علامہ ذہبی نے اپنی بعض تالیفات میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی ولایت و بزرگی کا اعتراف کیا ہے لکھا ہے کہ وہ خلق خدا سے دور یمن کے صحرائی اور ریگستانی علاقہ میں رہتے تھے۔ ان کی ولایت اور بزرگی کا چرچا اطراف عالم میں پھیل گیا تھا۔ خلق خدا کثرت سے ان کی زیارت کو جاتی تھی، بڑے بڑے علماء فضلاء، اُمراء، وزراء مع خدم وحشم ان سے ملنے گئے۔ وہ تنہا اپنی قیام گاہ میں رہتے تھے، اور سب کو کھانا کھلاتے تھے۔ ہر ایک کو اس کی پسند کا کھانا پیش کرتے تھے، امام یافعی، علامہ ابن سید الناس وغیرہ ان کی زیارت کو گئے اور ان کی بزرگی اور ولایت کے قائل ہوئے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان کے واسطے بھی مخدومیت کی کنجی بنائی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے [۱]

"یہ نام ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جن کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ کسی جنّی کو مسخر کر کے اس سے خدمت لیتے ہیں، گویا مخدوم سے مراد مخدوم الجن ہے۔ یہ اصطلاح تو اس زمانہ کی عام اصطلاح تھی، لیکن ـــــ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جن صوفیوں کے ساتھ دل کھول کر اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور بے محابہ جس شخص کے متعلق جس وقت ان کا جی چاہتا ہے اپنے اس حربہ کو چلا دیتے ہیں، علمائے اسلام میں اس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد خود اُن کے ماننے والوں نے بھی اس لفظ کے دائرے میں اتنی وسعت کو شاید جائز نہیں رکھا۔"

اور یہ بھی لکھا ہے [۲]۔ "شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی جو طبقہ، صوفیاء و مشائخ پر بے تحاشا تنقید کرنے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔"

اور لکھا ہے [۳]۔ "شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے امام غزالی کی بعض کتابوں میں شکایت کی ہے کہ فلسفہ کے جال سے بھاگنے کی گو اس شخص نے پوری کوشش کی لیکن فلسفہ کی آنتوں میں پھر بھی ٹانگیں اُلجھ کر رہ گئیں۔ شیخ الاسلام بڑے آدمی ہیں، ان کی علمی و دینی عظمت کا خیال سامنے آجاتا ہے۔ ورنہ میرا احساس تو یہ ہے کہ کچھ یہی کیفیت خود شیخ الاسلام ہی کی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر شعوری طور پر ان کے دماغ کو علّت و معلول کے قانون کی زنجیروں میں کچھ اس طرح جکڑ دیا تھا کہ اُن کے لئے یہ ناقابل برداشت تصوّر تھا کہ نہ کھانا پکانے والے دیکھے جاتے تھے، نہ پکنے والی چیزیں نظر آتی تھیں۔ لیکن ہر وقت پکا پکایا کھانا جتنے مہمان بھی مرشدی کے پاس آتے تھے، اُن کی خواہش کے مطابق پیش کر دیا جاتا تھا۔"

---

[۱] ملاحظہ کریں مقالات احسانی ص۳۶۹ [۲] ملاحظہ کریں ص۳۱۰ [۳] ملاحظہ کریں ص۳۲۹۔

حضرات مشائخ کے ساتھ جو رویہ علامہ ابن تیمیہ کا رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ مولانا گیلانی کے بیان سے ہوتا ہے، ایسی صورت میں شیخ اکبر کے کلام کی جیسی بھی کنجی وہ بنائیں، بنا سکتے ہیں، اور پھر جب کہ ان کا خیال یہ بھی ہو کہ میں ہر ایک کے مذہب کو اس سے بہتر جانتا ہوں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

عارفِ نامی حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامی نے "نفحات الانس" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اکبر پر ردّ و نکیر کرنے والے یا تو تقلید و تعصب میں مبتلا ہیں۔ یا شیخ اکبر کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے حضرت شیخ اکبر کے کلام کی جو کنجی بنائی ہے اس کا موازنہ صَاحِبُ الْوعَائِبِنِ وَالصِّلَةُ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حضرت امام ربانی مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے بیان سے کیا جائے تاکہ حقیقت کا علم ہو۔

حضرت مجدّد کا بیان

آپ نے شیخ عبدالعزیز جونپوری کو چار اوراق کا مکتوب ارسال کیا ہے۔ اس مکتوب میں پہلے شیخ اکبر کا مسلک اور پھر اپنا مسلک بیان کیا ہے، میں شیخ اکبر کے مسلک کا ذکر کرتا ہوں جو کہ مفتاح الفتوحات والفصوص ہے۔ لکھا ہے [۱]

"شیخ محی الدین اور اُن کے پیرو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسمار و صفات عینِ ذات ہیں، ذاتؕ و صفات نے اللہ تعالیٰ کے علم میں تمایز اور تباین پیدا کیا، اس تمایز اور تباین کا پہلا مرتبہ بہ صورت اجمالی ہے، یہی تعینِ اول ہے اور اسی کو حقیقتِ محمدی کہتے ہیں۔ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالتَّحِیَّاتُ اور پھر تفصیلی صورت میں ہے اور اس کو اَعیانِ ثابتہ کہتے ہیں جو کہ حقائق ممکنات ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں۔ خارج میں اعیان ثابتہ کا عکس ظاہر ہوا اور وہ عکس ممکنات کا وجود ہے۔ چوں کہ عکس و سایہ ایک خیالی اور موہومی شے ہے، اس لئے ممکنات کا وجود تخیلی اور موہومی ہوا، حقیقت میں کچھ نہیں۔ چوں کہ یہ تخیلی اور موہومی عکس اللہ تعالیٰ کی صنعت اور کارگیری کا ہے اس لئے اس کے واسطے کمالِ اتقان اور پائداری ہے، وہ مِٹ نہیں سکتا، اس پر ثواب و عقاب کا ترتّب ہوتا ہے۔"

حضرت مجدّد نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ اسرارہما کی دو رباعیوں کی شرح میں حضرت شیخ اکبر کے مسلک کا بیان کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ نے اس موہومی اور تخیلی وجود کے عَدَمِ رفع پر بہت اصرار کیا ہے اور اس کے زوال کو کسی صورت میں بھی تجویز نہیں فرماتے۔ اور آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ حضرات صوفیہ کے نزدیک عالم کا وجود موہومِ قوی ہے اور علمار کرام کے نزدیک عالم کا وجود موجودِ ضعیف ہے۔

آپ نے شیخ عبدالعزیز جونپوری کو تحریر کردہ مکتوب کے آخر میں لکھا ہے کہ علمار کرام اور مشائخ عظام نے سلامتی اور میانہ روی کے راستہ کے جانبین کو لیا ہے اور بیچ کا حصہ مجھ کو ملا ہے، اگر مشائخ عظام

---

[۱] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۱۔

اعیانِ ثابتہ کا عکس اور اس کا ظل خارج میں پالیتے تو عالم کے وجودِ خارجی سے انکار نہ کرتے اور صرف وہم و تخیل پر انحصار نہ کرتے، اور اگر علمائے کرام اس بھید سے آگاہ ہو جاتے تو ممکن (غیر اللہ) کے واسطے وجودِ اصلی ثابت نہ کرتے بلکہ وجودِ ظلی پر اکتفا کرتے۔"

وحدت وجود کے متعلق حضرت مجدد کا یہ بیان ہے، آپ نے شیخ اکبر کے مسلک کو اور علمائے اہل سنت وجماعت کے مسلک کو میانہ روی اور خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا قرار دیا ہے، اور دونوں مسلکوں کے فرق کو اِس طرح بیان کیا ہے کہ اس راہِ صواب کی ایک جانب حضرت شیخ نے لی ہے جو کہ موہوم قوی ہے اور دوسری جانب حضراتِ علماء نے لی ہے جو کہ موجودِ ضعیف ہے۔ اور راہِ صواب کا میانہ حصہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھ کو عنایت کیا ہے۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام اشیا، چاہے وہ کلیہ ہوں چاہے جزئیہ، اور چاہے ذہنیہ ہوں چاہے خارجیہ، اور چاہے جواہر ہوں چاہے اعراض، ان میں ایک شے ایسی ہوتی ہے جو ایک کو دوسرے سے ممتاز اور علاحدہ کرتی ہے، اور ایک شے ایسی ہوتی ہے جو ان کو ملاتی ہے اور ان کا منشاءِ انتزاع اور مبدأ ترتبِ احکام بنتی ہے۔ اسی امر مشترک کو —— حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں اور یہی وحدۃ الوجود ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے حضرت شیخ اکبر کے استعمال کیے ہوئے الفاظ کو ظاہری معنی پر حمل کرکے ایک کنجی بنادی، جس نے تضلیل وتکفیر کے دروازے خلائق پر کھول دیئے۔ حضرت مجدد قدس سرہ دونوں میدانوں کے شہسوار تھے، حضرات مشائخ کی اصطلاحات سے پوری طرح واقف تھے۔ آپ نے ایسی مفتاحِ نوید بنائی جو اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ[1] کی نشاندہی کر رہی ہے۔ فَشَتَّانَ بَيْنَهُمَا۔

توحیدِ الوہیت و توحیدِ ربوبیت

علامہ ابن تیمیہ نے شیخ اکبر کے کلام کی ایسی کنجی بنائی جس سے ان کی تضلیل وتکفیر کی جاسکے، کوئی صاحب نے لکھا ہے[2]

"وحدۃ الوجود کے مسئلے میں تو وہ اس شدت سے ابن عربی کے مخالف تھے کہ وہ ان کو "اس امت کا شیطان" لکھتے تھے۔"

باوجود اس سب کے علامہ ابن تیمیہ حضرت شیخ اکبر کے فلسفہ سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ نے تنزیہ اور تشبیہ کی دقیق بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کمالِ ایمان اس میں ہے کہ اللہ جل شانہ کے واسطے تنزیہ کا بھی اثبات ہو اور تشبیہ کا بھی۔ کیونکہ تنزیہ محض تقیید ہے اور تشبیہِ محض تحدید۔ پروردگار جَلَّتْ عَظَمَتُهٗ ہر طرح کی تقیید و تحدید سے پاک ہے ——

[1] میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔ [2] ملاحظہ کریں کتاب امام ابن تیمیہ ص ٦١٥۔

ھُوَ وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا ہے۔

فَاِنْ قُلْتَ بِالتَّنْزِیْہِ کُنْتَ مُقَیِّدًا وَاِنْ قُلْتَ بِالتَّشْبِیْہِ کُنْتَ مُحَدِّدًا

وَاِنْ قُلْتَ بِالْاَمْرَیْنِ کُنْتَ مُسَدِّدًا وَکُنْتَ اِمَامًا فِی الْمَعَارِفِ وَسَیِّدًا

اگر تم صرف تنزیہ کے قائل ہوئے اور تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ منزّہ ہی ہے تو تم نے اللہ تعالیٰ کو غیب (پوشیدگی) میں مقیّد (بند) کر دیا، اور اگر صرف تشبیہ کے قائل ہوئے تو تم نے اس کے واسطے حد مقرر کر دی۔ تم اللہ کو منزّہ اور مشبّہ کہو تاکہ تم معرفت میں سردار بنو۔

حضرت شیخ کے اس فلسفہ سے علامہ ابن تیمیہ لاشعوری طور پر متاثر ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی انوکھی مِفتاح (کنجی) کی طرح توحید میں ایک نیا شاخسانہ پیدا کر دیا۔ وہ کہتے ہیں، توحید کی دو قسمیں ہیں، ایک توحیدِ اُلوہیّت دوسری توحید ربوبیّت۔ توحیدِ ربوبیّت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کافر، مشرک بھی اللہ کی ربوبیّت کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ ۔ اگر ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا کون ہے تو وہ یقیناً کہہ دیں گے، اللہ ہے۔ توحیدِ اُلوہیّت کے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے۔

علاّمہ دیجوی کا رَد

شیخی وشیخ مشائخ الازہر، علامۂ روزگار و فردِ اکمل از علماء ہیئت کبار[1] شیخ یوسف دیجوی شافعی رحمہ اللہ نے ازہر کے ماہ نامہ مجلّہ نور الاسلام کی چوتھی جلد کے صفحہ ۲۵۴ سے ۲۶۰ تک اور صفحہ ۳۱۹ سے ۳۳۰ تک اس موضوع پر نہایت نفیس پُر از حقائق مقالہ لکھا ہے۔ میں اختصار کے ساتھ بعض فوائد لکھتا ہوں۔ شیخ یوسف تحریر فرماتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اور ان کے اتباع نے توحید کو اُلوہیّت اور رُبوبیّت میں تقسیم کیا ہے۔ یہ تقسیم شریعت کے رُو سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان لانے والوں سے کبھی نہیں فرمایا کہ تم دو توحید کا اعتراف کرو، ایک توحید الوہیت دوسری توحید ربوبیت، جو ذاتِ پاک الٰہِ معبودِ برحق ہے وہی ذات پاک رَبِّ معبودِ برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا فَاعْبُدْہُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِہٖ" رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُن کے بیچ میں ہے، سو اُسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر قائم رہ۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ربوبیت پر عبادت کو مرتب فرمایا ہے۔ اگر رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا کے متعلق نفع وضرر کا اعتقاد نہ ہوتا تو اُس کی عبادت کے کیا معنی۔

اور اللہ فرماتا ہے۔ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا

---

[1] ازہر کے تیس عالی قدر، منتخب علماء کی مبارک جماعت کو ہیئت کبار علماء کہا کرتے تھے، شیخ ازہر، وکیل شیخ ازہر اور کلیات کے مشائخ اسی جماعت سے منتخب ہوا کرتے تھے۔ شیخ یوسف اسی جماعت کے ایک رکن رکین تھے۔

تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو، جو نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔

اس مبارک آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجود لہ، اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے، اُسی کے لئے اقتدارِ تام اور قدرتِ کاملہ ہے۔

اور فرماتا ہے، وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ اور نہ یہ کہے تم کو، کہ ٹھہراؤ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب، کیا تم کو کفر سکھاوے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکو۔

اس آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ کفار اور مشرکین تعددِ ارباب کے قائل تھے۔

اور ارشاد ہے ۔ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۔ اے رفیقو بندی خانے کے، بھلا کئی معبود جُدا جُدا بہتر ہیں یا اللہ اکیلا زبردست۔

اس آیت میں یہ بات خوب واضح ہے کہ کفّار اور مشرک تعدّدِ ارباب کے قائل ہے۔

اور فرمایا ہے۔ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۔ اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمان سے، تُو کہہ، وہی رب میرا ہے، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اُسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اُسی کی طرف آتا ہوں چھوٹ کر۔

اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ کفار اور مشرکوں نے رحمان کو اپنا رب نہیں مانا تھا۔

اور ارشاد ہے۔ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۔ پر میں تو کہوں، وہی اللہ ہے میرا رب اور نہ مانوں ساجھی اپنے رب کا کسی کو۔

اس آیت شریفہ میں اُن لوگوں سے خطاب ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ربوبیت سے انکار کیا۔

ان آیاتِ مبارکہ کی روشنی میں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قائل تھے اور تعددِ ارباب کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ دیکھو قیامت کے دن کفار اور مشرکین افسوس کرتے ہوئے اربابِ باطلہ سے کہیں گے۔ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ قسم اللہ کی، ہم تھے صریح غلطی میں، جب تم کو برابر کرتے تھے عالمین کے رب کے۔ یعنی جب کہ ہم نے تم کو اپنا رب بنا لیا۔

اور پروردگار فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۔ اور جب کہا جائے ان سے، سجدہ کرو رحمان کو، وہ کہیں، رحمان کیا ہے، کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرمائے گا اور بڑھتی ہے ان کی نفرت۔

اور ارشاد کرتا ہے۔ وَھُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰہِ ۔ اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں۔
جو لوگ قیامت کے دن اپنے معبودوں سے کہیں کہ ہم نے غلطی کی تھی کہ تم کو رب العالمین کے برابر سمجھا اور جو لوگ رحمان سے انکار کریں اور ان سے کہا جائے، رحمان ہمارا رب ہے اور جن لوگوں سے کہا جائے کہ متفرق ارباب اچھے ہیں یا ایک برحق معبود۔ ایسے لوگوں کے متعلق کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ توحید ربوبیت کے قائل ہیں۔ اگر توحید ربوبیت میں اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی تو میثاقِ ازل "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے لفظ سے کیوں ہوتا (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اور اگر رب کی وحدانیت کے سب قائل ہوتے تو قبر میں منکر نکیر کیوں "مَنْ رَّبُّکَ" سے سوال کرتے (تمہارا رب کون ہے) اگر فرعون نے "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہہ کر اپنے اعلیٰ رب ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو اس نے یہ بھی کہا ہے "لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰھًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ" (اگر میرے سوا کسی کو اپنا الٰہ بنایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں ڈالدوں گا)۔
ان آیات مبارکہ سے ظاہر ہے کہ جو اللہ ہے وہی رب ہے اور جو رب ہے وہی اِلٰہ ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا رَبَّ سِوَاہُ۔

توسّل

علامہ دیجوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انبیا اور اولیا کا وسیلہ لینا توحید کے منافی نہیں ہے کیوں کہ از روئے شریعت یا لغت یا عرف، توسّل عبادت کو نہیں کہتے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس عالم کی بناء اسباب اور مُسَبَّبات پر رکھی ہے۔ حشر کے دن اللہ تعالیٰ گنہگاروں کی خطائیں معاف کرے گا لیکن پیغمبروں اور نیکوکاروں کی شفاعت پر بخشے گا، اگر اسباب و وسائل اور وسائط کی ضرورت نہیں ہے تو پھر شفاعت کس بنا پر ہے اسباب و وسائل اور وسائط سے صَرفِ نظر کرنی سُنّتِ الٰہیّہ کے خلاف ہے جس پر بنائے عالم ہے، توسّل کو غیر اللہ کی عبادت سمجھنا بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ۔ اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو، توسل زندہ سے لیا جائے یا مردہ سے برابر ہے، کیوں کہ طلب اللہ تعالیٰ ہی سے کی جارہی ہے وسیلہ سے نہیں۔
مؤلف ابوالحسن زید کہتا ہے امام بخاری نے اپنی صحیح کے ابواب الاستسقاء میں حضرت انس سے روایت کی ہے۔ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ اِذَا قُحِطُوْا اسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ ۔ جب قحط پڑا کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارانِ رحمت کی طلب حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے کیا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا۔ اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ کرتے تھے اور تو ہم پر پانی برساتا تھا۔ ہم تیری بارگاہ میں

وسیلہ کرتے ہیں اپنے نبی کے چچا کو تو ہم پر پانی برسا، اس حدیث مبارک کے راوی حضرت انس کہتے ہیں۔ پھر پانی برستا تھا۔

اس روایت سے بعض افراد کو خیال ہو گیا ہے کہ اموات کا توسل جائز نہیں۔ اگر اس کا جواز ہوتا حضرت عمر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے۔

یہ خیال درست نہیں کیونکہ حضرت عمر نے حضرت عباس کی ذات کو مطلقاً وسیلہ نہیں بنایا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت دے کر وسیلہ بنایا ہے۔ حضرت عمر نے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی اجتبائیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے، آپ نے ازراہ ادب بہ احسن وجوہ آپ ہی کا وسیلہ لیا ہے۔ آپ کی امت اہل بیت اطہار اور صحابۂ اخیار رضی اللہ عنہم اجمعین کا ادب کرتی ہے تو آپ ہی کی نسبت سے کرتی ہے، ان حضرات کے احترام میں آپ ہی کا احترام ملحوظ ہے اور ان کی محبت میں آپ ہی کی محبت۔

مشکات کے باب مناقب الصحابہ میں ترمذی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں، اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے اصحاب کے بارے میں۔ میرے بعد تم اُن کو اپنا ہدف نہ بناؤ (تختۂ ملامت) جس نے اُن سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے عداوت کی اس نے میری عداوت کی وجہ سے اُن سے عداوت کی۔ جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اور جس نے مجھ کو ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ کو ایذا پہنچائی قریب ہے کہ وہ اس کی گرفت کرے۔

اللہ تعالیٰ جس بندہ کو منزلت اور مرتبہ عنایت کرتا ہے وہ دوامی ہے۔ اس سلسلہ میں سید صدیق حسن خان رسالہ "اَلتَّوَسُّلُ بِسَیِّدِ الرُّسُلِ" کے صفحہ بارہ میں لکھتے ہیں۔

اَلتَّوَسُّلُ اِلَی اللّٰہِ بِاَھْلِ الْفَضْلِ وَالْعِلْمِ ھُوَ فِی التَّحْقِیْقِ تَوَسُّلٌ بِاَعْمَالِھِمُ الصَّالِحَۃِ وَمَزَایَاھُمُ الْفَاضِلَۃِ۔ اِذْ لَا یَکُوْنُ الْفَاضِلُ اِلَّا بِاَعْمَالِہٖ فَاِذَا قَالَ الْقَائِلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِالْعَالِمِ الْفُلَانِیْ فَھُوَ بِاِعْتِبَارِ مَا قَامَ بِہٖ مِنَ الْعِلْمِ۔

"اہل علم وفضل کا توسّل حقیقت میں ان کے اچھے اعمال اور اعلیٰ خصوصیات کا توسل ہے کیونکہ اچھے اعمال ہی کی وجہ سے ان کو فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ جب کوئی شخص کہتا ہے۔ بار خدایا میں فلاں عالم کا وسیلہ لیتا ہوں تو یہ وسیلہ اس کی علمی خدمات کا وسیلہ ہے۔"

امام بیہقی نے دلائل النبوہ میں حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی، انھوں نے دعا کی۔ یارب بہ حق محمد میری خطا معاف کر۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا۔ تم

نے محمد کا وسیلہ لے کر سوال کیا ہے۔ لہذا میں نے تمہاری خطا معاف کی۔

حصن حصین میں ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم سے روایت ہے کہ جس کو کوئی حاجت پیش آئے اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا کرے۔

"یا اللہ میں تجھ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں، میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر متوجہ ہوتا ہوں، جو کہ نبیِ رحمت ہیں، یا محمد (اے حضرت محمد) میں اپنی اس حاجت میں آپ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روا کر دے۔ اے اللہ میرے حق میں تو اُن کی شفاعت قبول کر۔"

حضرت عثمان بن حنیف اور ان کی اولاد یہ مبارک دعا لوگوں کو سکھایا کرتے تھے اور مشکل پیش آنے پر اس دعا کو پڑھا کرتے تھے۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کی مشکلیں آسان کرتا تھا۔

واضح رہے دو رکعت نفل پڑھنے کا ذکر صرف نسائی میں ہے۔

حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی نے سند صحیح سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے [۱]

اِنِّیْ لَاَتَبَرَّكُ بِاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَجِیْءُ اِلٰی قَبْرِهٖ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ۔ یَعْنِیْ زَائِرًا۔ فَاِذَا عَرَضَتْ لِیْ حَاجَةٌ صَلَّیْتُ رَكْعَتَیْنِ وَجِئْتُ اِلٰی قَبْرِهٖ وَسَأَلْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی الْحَاجَةَ عِنْدَهٗ فَمَا تَبْعُدُ عَنِّیْ حَتّٰی تُقْضٰی

"میں ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، اور ہر روز ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں۔ یعنی زیارت کے لئے۔ اور اگر مجھ کو کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور اُن کے پاس اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں۔ زیادہ وقت نہیں گزرتا کہ میری وہ حاجت رفع کر دی جاتی ہے۔"

استغاثہ علامہ دیجوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرات انبیا اور اولیاء سے استغاثہ کرنے میں کیا کفر ہے۔ استغاثہ کرنے والا اللہ تعالیٰ سے طلب کر رہا ہے تاکہ اس نیک بندے کی وجہ سے اس کی مشکل آسان ہو۔ اور اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ استغاثہ کرنے والا میّت سے طلب کر رہا ہے تو اس میں کیا قباحت اور بُرائی ہے۔ استغاثہ کرنے والے کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میّت کو روحانی قوت عطا کر دی ہے۔ اس کی قوت ملائکہ کی قوت سے مشابہت رکھتی ہے اور وہ اللہ کے حکم اور اس کی اجازت سے بندگان خدا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ طلب کرنے والے کے اس خیال میں نہ کفر ہے اور نہ شرک کی آمیزش ہے۔ ابن تیمیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ استغاثہ کرنے والے کے نزدیک اس میّت میں الوہیّت سرایت کر گئی ہے۔ ان کا یہ خیال قطعاً غلط اور افتراء ہے۔ استغاثہ اور طلب کرنے والا الوہیّت کی سرایت کا قائل نہیں ہے۔

---

[۱] ملاحظہ کریں تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۳۔

انبیا، اولیا اور شہدا اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان سے استغاثہ جائز ہے۔ ایامِ حرّہ میں حضرت سعید بن المسیب قبر نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والتحیۃ سے اذان سُنا کرتے تھے۔ اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حضرات اپنی قبروں میں سنتے ہیں اور زیارت کرنے والے کی بات سمجھتے اور اس کے واسطے دعا کرتے ہیں۔ ہر عالم کے الگ قوانین ہیں، برزخ کا حال دنیا کے حال سے الگ ہے۔ اور ہر تعظیم عبادت نہیں ہوا کرتی اور نہ ہر دعا عبادت ہے۔ لَا تجعلوا دعاء الرسول اور۔ اِنّ ابی یدعوک اور۔ واللہ یدعوا الی دار السلام میں دعا کا لفظ وارد ہے اور وہ عبادت کے لئے نہیں ہے۔ لہٰذا استغاثہ کرنے والے کی دعا کو عبادت پر کیوں حمل کیا جا رہا ہے۔

امامتِ کبریٰ

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے [۱]

وَنَسَبَهُ قَوْمٌ اِلَى اَنَّهُ يَسْعَىٰ فِى الْاِمَامَةِ الْكُبْرٰى فَاِنَّهُ كَانَ يَلْهَجُ بِذِكْرِ ابْنِ تُومَرْتَ وَيُطْرِبُهُ فَكَانَ ذٰلِكَ مُؤَكِّدًا لِطُوْلِ سِجْنِهِ۔

"ابن تیمیہ کے متعلق ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ امامت کبریٰ حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ وہ ابن تومرت کا ذکر مزے لے کر کیا کرتے تھے۔ ان کی قید وبند کی طوالت کے سلسلہ میں یہ بات بھی مُمد ثابت ہوئی۔"

محمد بن عبد اللہ بن تومرت مصمودی بربری کی شہرت ابن تومرت کے نام سے ہے، یہ دیارِ مغرب کے تھے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر ۵۱۴ھ کے واقعات میں [۲] اور امام یافعی نے اپنی تاریخ میں خوب تفصیل سے [۳] ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی ولادت یوم عاشورا ۴۸۵ھ میں اور وفات ۵۲۴ھ میں ہوئی۔ یہ اپنے وطن سے طلب علم کے لئے بغداد آئے۔ وہاں جامعہ نظامیہ میں امام غزالی اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا، وہاں سے حجاز گئے اور حج کر کے وطن لوٹے، وہ عابد، زاہد، ناسک اور متورع تھے، عقل و فکر و فہم و فراست میں ممتاز، باہیبت، شجاع، بہادر اور مجاہد اور فصاحت سے متصف تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا شیوا تھا، طبیعت میں ظرافت تھی، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، لوگوں سے ان کو جو تکلیف و زحمت پہنچتی تھی اس کو بخوشی برداشت کرتے تھے۔ دنیوی سامان میں سے صرف ایک عصا اور ایک مشکیزہ (چھاگل) ساتھ رکھتے تھے۔ اکثر اوقات خاموش رہتے تھے، اُن کا سر بڑا، گندمی رنگ، نظر میں بلا کی تیزی اور چمک، چہرے پر جلال و ہیبت کا سایہ چھایا رہتا تھا رہن، سہن، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے اور ٹھہرنے میں انکساری اور خاکساری ظاہر تھی، ۵۱۴ھ میں بادشاہت کی داغ بیل ڈالی، جو موحدین کی سلطنت کے نام سے مشہور ہوئی، ایک جوان کو جس کا نام

---

[۱] ملاحظہ کریں درر کامنہ ج ا ص۱۵۵ [۲] ملاحظہ کریں البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص۱۸۶۔ [۳] ملاحظہ کریں مرآۃ الجنان ج ۳ ص۲۳۳ تا ص۲۴۱۔

عبدالملک بن علی تھا امام (بادشاہ) بنایا، دس سال مملکت کی بہار دیکھی۔ اس عرصہ میں ان کے رہن سہن، خوردونوش کا وہی طریقہ رہا جو پہلے تھا، ان کی ایک ہمشیرہ تھیں، وہ سوت کات کر ان کے واسطے ایک روٹی کا بندوبست کرتی تھیں۔ دن رات میں یہی ایک روٹی ان کی غذا آخر وقت تک رہی۔

ان کی کامیابی کا راز ان کا حسن خلق تھا، ان کا عمل "اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" پر تھا (جواب میں تو کہہ اس سے بہتر) لہذا ان کے مخالف ان کے رفیق بن گئے اور وہ حقیقی معنوں میں اسلام کی خدمت کر گئے۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ۔

علامہ ابن تیمیہ اگرچہ ابن تومرت کا ذکر کیا کرتے تھے لیکن انھوں نے بعض غیر ضروری اور غیر مفید مسائل میں اپنے کو اُلجھالیا اور طبیعت کی سختی اور درشت کلامی کی بنا پر اپنوں کو پرایا بنالیا، مجموعہ رسائل کے صفحہ ۱۸۶ میں۔ رسالہ کواکب دُرّیہ میں لکھا ہے۔ ضَعُفَ مِنْ اَصْحَابِ الشَّیْخِ مَنْ کَانَ عِنْدَهٗ قُوَّةٌ وَجَبُنَ مِنْهُمْ مَنْ کَانَتْ لَهٗ هِمَّةٌ یعنی، جناب شیخ کے اصحاب و رفقاء میں سے جو قوت والے تھے کمزور پڑ گئے اور جو ہمت والے تھے بزدل ہو گئے۔ اور لکھا ہے کہ پیر کے دن، چھٹی شعبان ۷۲۶ھ کو بادشاہ کا فرمان پہنچا کہ ابن تیمیہ کو قلعہ میں بند کر دیا جائے، چنانچہ ان کے واسطے سواری لائی گئی، اور اُن کو قلعہ لے گئے۔ لکھا ہے[1] اَظْهَرَ الشَّیْخُ السُّرُوْرَ عِنْدَ مَا انْتَقَلَ اِلَی الْقَلْعَةِ، وَلَا نَدْرِیْ لِمَا ذَا کَانَ هٰذَا السُّرُوْرُ الَّذِیْ اَظْهَرَهٗ وَقَالَ "کُنْتُ مُنْتَظِرًا ذٰلِكَ وَهٰذَا فِیْهِ خَیْرٌ کَثِیْرٌ وَّمَصْلَحَةٌ کَبِیْرَةٌ" جب علامہ ابن تیمیہ کو قلعہ لے جانے لگے، انھوں نے خوشی کا اظہار کیا، اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اظہار مسرت کس بنا پر تھا۔ اور انھوں نے فرمایا "مجھ کو اس کا انتظار تھا اور اس میں بہت بھلائی اور بڑی مصلحت ہے۔"

تیس سال پہلے کیا عزت ملی تھی، علمائے اعلام کیا مدح و ثنا کر رہے تھے لیکن اب آخری ایام میں کیا زحمت اٹھائی۔ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

اختلافی مسائل

علامہ ابن تیمیہ حنبلی تھے، بعض مسائل میں انھوں نے اجتہاد کیا ہے۔ علماء کرام نے ان کے اجتہادات اور اختیارات کو چار مراتب میں رکھا ہے۔

۱۔ پہلا مرتبہ اُن مسائل کا ہے کہ انھوں نے امام احمد حنبل کے مشہور قول کو چھوڑ کر غیر مشہور قول کو لیا ہے۔ اس صورت میں آپ نے امام احمد کی تقلید نہیں چھوڑی ہے اور ایسے مسائل چھبیس ہیں۔

۲۔ دوسرا درجہ اُن مسائل کا ہے کہ انھوں نے اپنے امام کے مذہب کو چھوڑا ہے اور باقی تین اماموں میں سے کسی کا قول لیا ہے اور ایسے ۱۶ سولہ مسائل ہیں۔

۳۔ تیسرا درجہ اُن مسائل کا ہے کہ انھوں نے چاروں اماموں کے مذہب کو چھوڑا ہے اور ایسے

---

[1] ابن تیمیہ ص۸۶۔

ستر۱۷ مسائل ہیں۔

۴- چوتھا درجہ اُن مسائل کا ہے کہ انھوں نے جمہور کے مسلک کو چھوڑا ہے اور اُمّت کے اجماع کی قدر نہیں کی ہے اور ایسے انتالیس۳۹ مسائل ہیں، ان میں سے دس مسائل طلاق کے ہیں۔

یہ کُل اٹھانوے۹۸ مسائل ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ مسائل کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو لیکن ان کی نوعیت ان ہی چار مراتب میں منحصر ہے۔

پہلے دو قسم کے مسائل کی وجہ سے علماء اعلام نے علامہ ابن تیمیہ پر ردّ و نکیر نہیں کی ہے کیونکہ انھوں نے سَوادِ اعظم کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے، البتہ تیسرے اور چوتھے قسم کے مسائل کی وجہ سے جلیل القدر علماء نے ان پر ردّ و نکیر کی ہے۔ اور اس نکیر کی علّت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لہ

۱- اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔

۲- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ

۱- پیروی کرو بڑی جماعت کی، کیوں کہ واقعہ یہ ہے جو تنہا ہوا (الگ ہوا) جماعت سے وہ الگ ہوا دوزخ میں۔

۲- بہ تحقیق، اللہ تعالیٰ جمع نہیں کرے گا میری امت کو۔ یا آپ نے فرمایا۔ محمد کی امت کو۔ گمراہی پر۔ اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص تنہا ہوا جماعت سے تنہا ڈالا جائیگا دوزخ میں۔

علامہ ابن تیمیہ کے زمانے میں عام طور پر اہل سنت و جماعت چار اماموں کے پیرو تھے اور انہی پر سوادِ اعظم کا اطلاق ہوتا تھا، تاتاریوں نے خلافت اسلامیہ کو برباد کیا اور علامہ ابن تیمیہ نے سوادِ اعظم اور اجماعِ امت کی قدر و منزلت کی دھجیاں اڑا دیں۔ علماء اعلام کو اس کا رنج ہے۔

اگر طلاق کے مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ نے جمہور اہلِ سنت و جماعت کے مسلک کو چھوڑ کر اثنا عشریہ کی تقلید کی ہے ان کے شاگرد اعظم علامہ ابن قیم نے متعہ کے مسئلہ میں اثنا عشریہ کا ساتھ دینے کی کوشش کی ہے اور اب اس چودھویں صدی میں علامہ ابن تیمیہ کے بعض اتباع نے دعویٰ کیا ہے کہ مصحف شریف میں سے سورۂ فلق اور سورۂ ناس کو خارج کر دینا چاہیے اور یہ آواز بھی اٹھی ہے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ کو اس طرح پڑھنا چاہیئے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا كَانَ عَبْدَهٗ وَرَسُوْلَهٗ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ۔

ان باطل دعاوی اور نادرست بیانات کی وجہ یہ بات ہوئی ہے جو علامہ ابن تیمیہ کے سرگرم اتباع نے کہی ہے کہ ابن تیمیہ نے کسی نہ کسی صحابی یا تابعی کا قول لیا ہے۔ کیا ابن قیم اور ان کے

لہ ملاحظہ کریں باب الاعتصام من الکتاب والسنہ۔ از مشکات۔

بعد کے مدعیانِ تحقیق نے یہی دعویٰ نہیں کیا ہے۔ کیا انھوں نے کسی صحابی یا تابعی کے قول سے استدلال نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے لہ

نُقِلَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ السَّلَامُ عِنْدَ الْقُدُوْمِ مِنَ السَّفَرِ وَلَيْسَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْخُلَفَاءِ وَاَكَابِرِ الصَّحَابَةِ كَمَا كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ وَالنُّزُوْلَ وَالْمُرُوْرَ حَيْثُ حَلَّ وَنَزَلَ وَعَبَرَ فِي السَّفَرِ وَجُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ لَمْ يَكُوْنُوْا يَصْنَعُوْنَ ذٰلِكَ بَلْ اَبُوْهُ عُمَرُ كَانَ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ۔

"حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق یہ بات نقل کی گئی ہے کہ وہ جب سفر سے آتے تھے (روضہ شریفہ پر) عرض سلام کیا کرتے تھے حضرات خلفاء اور بڑے صحابہ کا یہ طریقہ نہ تھا۔ اور حضرت ابن عمر تحری کرکے ان مقامات میں نماز پڑھا کرتے اور نزول و مرور کیا کرتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران سفر میں نماز پڑھی ہے یا نزول فرمایا ہے (اُترے ہیں) یا مرور کیا ہے (گزرے ہیں) لیکن جمہور صحابہ کا یہ طریقہ نہ تھا بلکہ حضرت ابن عمر کے والد بزرگوار حضرت عمر ایسے امور سے منع کیا کرتے تھے۔"

اور علامہ ابن تیمیہ نے دوسری جگہ لکھا ہے، حضرت عمر کی اقتدا کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، آپ نے فرمایا ہے: "اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ" اقتدا (پیروی) کرو ان دو افراد کی جو میرے بعد ہوں گے اور وہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ زیارت قبور اور تبرک بہ آثار صالحین کے سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ نے یہ بات لکھی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلاق کے مسئلہ میں جو حکم حضرت عمر نے دیا ہے وہ ان امور (زیارت قبور، تبرک بہ آثار صالحین) کے روکنے سے کہیں زیادہ مہتم بالشان ہے۔ کیوں کہ طلاق کے مسئلہ میں جو حکم آپ نے صادر کیا ہے وہ حضرات صحابہ کے مشورہ سے کیا ہے۔ اور اس حکم کو چاروں اماموں نے بلکہ جمہور نے قبول کیا ہے۔ حضرت علی نے اپنے دورِ خلافت میں ارادہ فرمایا کہ اس حکم پر نظر ثانی فرمائیں۔ آپ نے اس کا تذکرہ اپنے قاضی ابوعمرو عبیدۃ بن عمرو السلمانی الکوفی سے کیا۔ قاضی عبیدہ، حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے۔ "كَانَ شُرَيْحٌ اِذَا اُشْكِلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ سَأَلَهُ" قاضی شریح کو جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا تو ان سے دریافت کرتے تھے۔ قاضی عبیدہ نے حضرت علی سے کہا۔ "جماعت کی رائے آپ کی رائے تھی۔ ہم کو آپ کی تنہا رائے سے آپ کی وہ رائے پسند ہے جو جماعت کے ساتھ تھی" قاضی عبیدہ کی اس بات کو سن کر حضرت علی خوش ہوئے اور آپ نے اپنے ارادہ کو ترک کیا۔

لہ ملاحظہ کریں کتاب الرد علی الاخنائی صفحہ ۱۰۸۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے [1]

"حضرت عمر کے زمانہ میں طلاق اور متعہ کے مسئلوں میں صحابہ کا اتفاق ہوا اور پھر یہ بات کسی ذریعہ سے ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت عمر کے زمانہ میں کسی نے ان مسائل میں اختلاف کیا ہو۔ صحابہ کا ان دو مسئلوں میں اتفاق کرنا ہم کو بتا رہا ہے کہ حضرات صحابہ کے پاس ضرور کوئی ناسخ ہوگا اور وہ اتفاق کرنے سے پہلے بعض حضرات سے پوشیدہ رہا ہوگا۔ حضرات صحابہ کے اتفاق کرنے کے بعد جو شخص ان دو مسئلوں میں اختلاف کرے گا وہ حضرات صحابہ کے اجماع کو ٹھکرائے گا۔ جمہور علماء نے کہا ہے۔ ان دو مسئلوں میں سے کسی ایک میں اگر کوئی اختلاف کرے تو اس کے اختلاف کا اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ اعتبار حضرات صحابہ کے اجماع کا کیا جائے۔"

افسوس صد افسوس طلاق کے مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ اپنی اُس نصیحت کو فراموش کر گئے جو زائرین قبور کو کی تھی کہ حضرت عمر کے اتباع کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے لہذا آپ کے حکم کی پیروی کی جائے، اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس مسئلہ میں حضرت عمر کا قول نہ صرف ان کا قول ہے بلکہ وہ اصحاب شوریٰ رضی اللہ عنہم کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کاش، علامہ ابن تیمیہ قاضی عبیدۃ سلمانی کے زرین مشورہ کو لیتے۔

حیرت کا مقام ہے کہ اب علامہ ابن تیمیہ کے شذوذات اور تفردات پر عمل کرنا ہی کمال ایمان سمجھا جا رہا ہے، بڑی خوشی سے کہا جا رہا ہے کہ حکومت مصریہ نے ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۹ء) میں طلاق کے مسئلہ میں ابن تیمیہ اور اثنا عشریہ کے قول کو قانونی شکل دے دی ہے۔ مصر نے تو ارتکاب فاحشہ کے جواز کے لئے بھی قانون بنا دیا ہے۔ محرماتِ شرعیہ کے ارتکاب پر کوئی مواخذہ نہیں رکھا ہے۔ اِلَى اللّٰهِ الْمَفْزَعُ وَاِلَيْهِ الْمُشْتَكٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِهٖ۔

آخری بحث

علامہ ابن تیمیہ نے کہا ہے [2]، "جو بھی میری تحریر میں میری مخالفت کرے گا، میں اس کے مذہب کو اس سے زیادہ جانتا ہوں" آپ کے اس اِدّعا سے بعض افراد کو خیال ہو گیا ہے کہ آپ کی ہمہ دانی مُسَلّم ہے۔ اور جو کچھ آپ نے کہا ہے وہی درست ہے۔

اس اِدّعا کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے صرف زیارت قبور کے مسئلہ پر کچھ بحث کرتا ہوں، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ۔

زیارتِ قبور

علامہ ابن تیمیہ اس مسئلہ کے بیان کرنے میں سالہا سال مصروف رہے ہیں، کتنے ہی رسائل لکھے ہیں اور کتنے ہی اوراق بھرے ہیں۔ اور اسی مسئلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے دل اُن سے آزردہ ہیں۔

---

[1] ملاحظہ کریں فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۹۔ [2] استاذ بیطار کی کتاب حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۳۱۔

علامہ ابن تیمیہ سے پہلے بعض افراد نے عَامّۃُ المُسلِمِین کے قبور کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز اور حرام قرار دیا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان لوگوں کے قول کو لے کر تصریح کر دی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبور مبارکہ اور حضرت رَحمَۃ لِلعَالمین سَیّدُالاَنبیاء وَالمرسَلین صَلّی اللہ عَلَیہ وَسلّم کے روضہ مبارکہ کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس شنیع قول نے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی[۵۱] اور علامہ قسطلانی[۵۲] نے اس قول کو "مِن اَبشَعِ الاَقوَال" لکھا ہے، یعنی سینہ کو جلانے والا بدبودار قول ہے، صفی الدین بخاری نے بعض افراد کے اشارہ پر علامہ ابن تیمیہ کی حمایت میں رسالہ "القول الجلی" لکھا ہے، اس قول کے متعلق لکھ گئے ہیں[۵۳] هُوَ مُخطِیٔ فِی ذٰلِکَ اَشَدَّ الخَطَاءِ۔ اس مسئلہ میں وہ زیادہ شدید خطا کر گئے ہیں۔

حدیث لاتشد الرحال

علامہ ابن تیمیہ کا سب سے بڑا استدلال حدیث لاتشد الرحال ہے کہ سفر نہ کرو مگر تین مسجدوں کے لئے۔ جو کہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ہیں۔ اس حدیث میں مستثنیٰ.... کا ذکر ہے۔ لیکن مستثنیٰ منہ کا ذکر نہیں ہے۔ تین مسجدیں مستثنیٰ ہیں اور ان کے علاوہ جہاں سفر کر کے نہ جایا جائے مذکور نہیں ہے۔ اس صورت میں عربی کا مشہور قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ کی مناسبت سے مستثنیٰ منہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ بنابریں یہی کہا جائیگا کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کر کے نہ جایا جائے۔

علامہ ابن تیمیہ کو حضرت عبداللہ بن عمر کا مسلک مرغوب نہ تھا، اور ان سے پہلے بعض علماء نے عَامّۃُ المسلمین کے مزارات کی زیارت کے لئے سفر کرنے سے منع کیا تھا اور حدیث لاتشد الرحال سے استدلال کیا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے ان افراد کے قول کو عمومی قرار دے کر اپنایا ہے اور حضرات انبیا علیہم السلام کی زیارت قبر سے بھی سفر کر کے جانے سے منع کیا ہے۔

امام غزالی کا بیان

اس سلسلہ میں امام غزالی نے لکھا ہے۔[۵۴] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، "ایک مسجد حرام، ایک میری یہ مسجد اور ایک مسجد اقصیٰ"۔ اس حدیث سے بعض علماء نے دلیل کرتے ہوئے، متبرک مقامات اور علما اور صلحا کی قبروں پر جانے سے منع کیا ہے ہم کو ان کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ زیارت قبور کی اجازت ملی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "میں نے قبروں کی زیارت سے تم کو منع کیا تھا، تم ان کی زیارت کرو۔" اور حدیثِ بالا "لاتشد الرحال" کا تعلق مسجدوں سے ہے۔ مشاہد کا حکم ایسا نہیں، کیوں کہ ان تین

---

[۵۱] فتح الباری ج ۳ ص ۵۳ مطالعہ کریں۔ [۵۲] ارشاد الساری ج ۲ ص ۳۴۴ مطالعہ کریں۔ [۵۳] نور رسائل کے مجموعہ کا ص ۱۱۹ ملاحظہ کریں۔ [۵۴] ملاحظہ کریں احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱۹

مسجدوں کے سوا سب ایک ساں ہیں۔ اور کوئی شہر ایسا نہیں جس میں مسجد نہ ہو، پھر دوسری مسجد میں جانے کے کیا معنی اور مشاہد ایک ساں نہیں ہوتے۔ ان کی زیارت کی برکت اسی قدر ہوتی ہے جتنے ان لوگوں کے درجات اللہ کے نزدیک ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کا قیام ایسی آبادی میں ہو کہ جس میں مسجد نہ ہو تو اس کو جائز ہے کہ کسی ایسی آبادی کی طرف سفر کرے جس میں مسجد ہو، اور اگر چاہے تو اُسی آبادی میں جا رہے۔

پھر ہم کو معلوم نہیں کہ زیارت قبور کے سفر سے روکنے والا حضرات انبیا مثل حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت یحییٰ وغیرہم، عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کی قبروں پر جانے سے بھی منع کرے گا یا نہیں، منع کرنا تو نہایت درجہ محال ہے اور جب ان حضرات کی قبروں کے لئے سفر کرنے کو صحیح کہے گا تو اولیا، علما اور صلحا کی قبریں بھی اُن کی قبروں کے حکم میں ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ ان کی قبروں پر جانا بھی سفر کی اغراض میں سے ہو جس طرح علماء کی زندگی میں ان کی زیارت مقصود ہوا کرتی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی جس بات کو نہایت درجہ محال سمجھے تھے، علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک وہ سراسر صواب ہے۔ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بہ کجا۔

حافظ ابن حجر کا بیان

آپ نے حدیث لاتشد الرحال کے بیان میں لکھا ہے[1] "اس حدیث شریف میں مستثنیٰ منہ یا تو عام رکھا جائے گا یا خاص۔ اگر عام رکھا گیا تو بیان اس طرح ہو گا کہ سامان سفر کسی جگہ اور کسی کام کے واسطے نہ باندھا جائے سوا اِن تین مساجد کے اور اس بیان کی صحت کیلئے کوئی سبیل نہیں، کیوں کہ اس صورت میں صلۂ رحم، طلبِ رحم وغیرہ کے لئے سفر کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا، لہذا دوسری صورت متعین ہے کہ مستثنیٰ منہ خاص ہو اور خاص میں بھی اَخص، جو مستثنیٰ منہ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو، اس صورت کا بیان یہ ہو گا کہ کسی مسجد کے لئے اس میں نماز پڑھنے کے واسطے اسباب سفر نہ باندھا جائے سوا ان تین مسجدوں کے۔ لہذا جو شخص قبر مطہر یا قبور صالحین کے لئے سفر کرنے کو اس حدیث کی وجہ سے منع کرتا ہے اس کا قول رد ہو گیا۔"

حافظ ابن حجر کے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اگر کسی مسجد کی عمارت یا محل وقوع کے دیکھنے کے لئے سفر کیا جائے مثلاً اندلس میں قرطبہ کی جامع کو دیکھنے کے لئے کوئی سفر کرے، تو جائز ہے۔ اس مقصد سے اگر کوئی سفر کرے اور وہاں پہنچ کر نماز بھی پڑھ لے تو کوئی محظور نہیں۔

حافظ ابن حجر نے اسی حدیث شریف کے بیان میں ایک صفحہ پہلے یہ بھی لکھا ہے۔

"حدیث لَاتُشَدُّ الرِّحَال میں صرف مساجد کا حکم ہے کہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد میں نماز

---

[1] ملاحظہ کریں فتح الباری ج ۳ ص ۵۴۔

پڑھنے کے واسطے سفر نہ کیا جائے، لہذا مساجد کے علاوہ صالحین، رفقا اور اقربا کی زیارت، طلب علم، تجارت، سیر و تفریح کے لئے سفر کرنے کا حکم اس میں شامل نہیں ہے، اور اس بیان کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام احمد نے شہر بن حوشب کے واسطے سے حضرت ابو سعید خدری سے کی ہے، شہر بن حوشب کہتے ہیں، میں ابو سعید خدری کے پاس بیٹھا تھا، کہ طور جاکر نماز پڑھنے کا ذکر ہوا۔ ابو سعید نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا "کسی نمازی کو کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے سامان سفر نہ باندھنا چاہئے، سوا مسجد حرام، مسجد اقصی اور میری اس مسجد کے۔" حافظ ابن حجر نے اس کے بعد لکھا ہے، شہر بن حوشب میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن حدیث حسن ہے۔ (یعنی استدلال کے قابل ہے)۔

علامہ عینی کا بیان

آپ نے حدیث لاتشد الرحال کے بیان میں لکھا ہے۔[1] وجہ سفر کے بیان میں علماء کا اختلاف ہے۔ نووی نے کہا ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کرنے میں فضیلت نہیں ہے۔ اور اس قول کو جمہور کا مسلک بتایا ہے۔ اور ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث کا تعلق نذر سے ہے۔ اگر ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے تو امام مالک کہتے ہیں، اگر اس مسجد تک پہنچنے میں سفر کرنا ہو تو اپنی آبادی کی مسجد میں نماز پڑھ لے، اور اگر ان تین مساجد میں سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہے تو وہ سفر کر کے اس مسجد کو جائے اور وہاں نماز پڑھے، اور اگر کوئی شخص بغیر نذر کے از روئے تطوع صالحین کی مساجد میں نماز پڑھنے یا اُن سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے جائے تو اس کے لئے جانا مباح ہے چاہے سفر کر کے جانا ہو۔ اس حدیث کی رو سے ممانعت کا حکم اس پر عائد نہیں ہوتا۔

علامہ ابن بطال کے قول کی رُو سے اُن افراد کے لئے جو رمضان مبارک کے آخری جمعہ پڑھنے کے واسطے دور دراز علاقوں سے دہلی کی جامع شاہجہانی آتے ہیں وجہ جواز پیدا ہے، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالشُّكْرُ لَهٗ۔

علامہ ابن الہمام کا بیان

روضۂ مطہرہ کی زیارت کے متعلق آپ نے لکھا ہے[2] تیسرا مقصد در بیان زیارۃ قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، آپ کے قبر مکرم کی زیارت، مندوبات (مستحبات) میں سب سے افضل ہے، اور مناسک الفارسی اور شرح المختار میں لکھا ہے کہ استطاعت رکھنے والے کے لئے واجب کے قریب ہے۔ دار قطنی اور بزار نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ ——— (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری

---

[1] ملاحظہ کریں عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۶۸۲۔ [2] ملاحظہ کریں فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۶۔

شفاعت واجب ہوئی) اور دارقطنی نے یہ روایت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے۔ مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ... (جو شخص میری زیارت کی نیت سے آئے گا اور میری زیارت کے سوا اس کا کوئی مقصد نہ ہوگا تو مجھ پر اس کا حق ہے کہ قیامت کے دن میں اُس کا شفیع بنوں) اور یہ روایت بھی دارقطنی کرتے ہیں۔ مَنْ حَجَّ وَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ (جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ بہ منزلہ اس شخص کے ہے جو میری زندگی میں میری زیارت کرتا ہے)۔

اب اگر حج فرض ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت۔ اور اگر حج نفل ہے تو اس کو اختیار ہے (پہلے حج کرے یا پہلے زیارت) اور جب قبر مبارک کی زیارت کا ارادہ کرے تو آپ کی مبارک مسجد کی نیت بھی کرے، کیوں کہ یہ اُن تین مبارک مساجد میں سے ایک مسجد ہے جن کے لئے شدِّ رحل (سفر) کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ" سے ثابت ہے (سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد کے لئے) اور جب آپ کی زیارت کے واسطے روانہ ہو تو راستہ بھر درود شریف پڑھتا جائے۔

اس بندۂ ضعیف (یعنی ابن ہمام) کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ صرف قبرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کی جائے، اور مدینہ منورہ پہنچ کر مسجد شریف کی بھی زیارت کرے اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر کرم کیا تو دوسری مرتبہ دونوں (قبر مکرم کی زیارت اور مسجد شریف نبوی) کی نیت ایک ساتھ کرے، کیوں کہ اس طرح کرنے میں آپ کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) اِجلال اور آپ کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

میں نے جو یہ بات کہی ہے کہ پہلی مرتبہ قبر مکرم کی زیارت کے موقع پر صرف آپ کی قبر مطہر کی نیت کرے، اس بنا پر کہی ہے کہ حدیث شریف میں "لَا تَعْمَلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ" (میری زیارت کے سوا اس کا کوئی مقصد نہ ہوگا) کے الفاظ وارد ہیں۔ اور مدینہ پہنچ کر بہتر یہ ہے کہ نہائے ورنہ وضو کرے، نظیف کپڑے پہنے اور اگر کپڑے نئے ہوں تو بہتر ہے اور پھر پیادہ چل کر حاضری دے۔ آپ کے ادب اور اجلال کا خیال ہر وقت رکھے۔ الخ اور لکھا ہے (صلاۃ و سلام عرض کرنے کے بعد) "اگر کوئی شخص اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ پڑھ کر ستر مرتبہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَا مُحَمَّدُ پڑھے تو فرشتہ اس کو کہتا ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْکَ یَا فُلَانُ۔ اللہ اُن پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور سلام بھیجے اور تجھ پر اے فلاں، اور اس کی حاجت پوری ہوتی ہے۔"

شیخ عبدالحق کا بیان

حدیث لاتشد الرحال کے بیان میں آپ نے لکھا ہے۔ [1] بندۂ مسکین، کاتب حروف عبدالحق پسر سیف الدین ترک بخاری، حنفی، دہلوی عفی اللہ عنہ کہتا ہے کہ اس حدیث شریف کا مقصد ان تین مساجد کی شان وعظمت کا اظہار ہے کہ اگر سفر کیا جائے تو ان تین مسجدوں کے لئے کیا جائے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے مقام کے لئے مشقّت اٹھانی مناسب نہیں۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی دوسرے مقام کے لئے سفر کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ ع دل اگر بار کشد باز بہ کارے بارے۔

علّامہ ابن تیمیہ کا اختلاف

حدیث لاتشدّ الرحال کے بیان میں علامہ ابن تیمیہ نے جمہور سے دو امور میں اختلاف کیا ہے۔ ایک مستثنیٰ منہ کے بیان میں۔ انھوں نے مستثنیٰ منہ عام رکھا ہے، دوسرے لاؔ کو نہی کا "لاؔ" قرار دیا ہے، حالاں کہ علماء اعلام نے اس کو نفی کا لاؔ کہا ہے۔

ان دو باتوں میں اختلاف ہوجانے سے حرمت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حرمت کے ثابت کرنے کے واسطے قطعی دلیل کی ضرورت ہے، اختلاف پیدا ہوجانے سے قطعیت باقی نہیں رہتی۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مسلک کی تائید میں بصرۃ بن ابی بصرۃ کی روایت پیش کی ہے جو درج ذیل ہے۔

"ابوہریرہ طور کی زیارت کرکے آئے، اُن سے بصرہ کی ملاقات ہوئی۔ بصرہ نے اُن سے کہا اگر طور کے سفر سے پہلے میری ملاقات تم سے ہوتی تو تم طور نہ جاتے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، لَاتُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَۃِ مَسَاجِدَ۔ الحدیث۔

وہ کہتے ہیں، طور ایک پہاڑ ہے، وہاں مسجد نہیں ہے پھر بھی بصرۃ بن ابی بصرہ نے حدیث لاتشد الرحال سے استدلال کرتے ہوئے ابوہریرہ سے اس کا ذکر کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مستثنیٰ منہ عام ہے۔

علمائے کرام نے جواب میں کہا ہے کہ امام احمد کی روایت جو شہر بن حوشب سے ہے مسئلہ کو واضح کر رہی ہے کہ مستثنیٰ منہ خاص بلکہ اخصِ خاص ہے کہ "کسی نمازی کو کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے سامان سفر نہ باندھنا چاہئے بجز مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔"

علامہ ابن تیمیہ کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ امام مالک پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی زُرْتُ قَبْرَالنَّبِیِّ" کہے، یعنی میں نے قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، جیساکہ قاضی عیاض مالکی نے "شفا" میں لکھا ہے۔

---

[1] ملاحظہ کریں اشعۃ اللمعات ج ا ص ۳۴۸۔

علمار نے کہا ہے کہ قاضی عیاض نے یہ الفاظ لکھے ہیں لیکن اس سے پہلے اور پیچھے جو کچھ لکھا ہے، ابن تیمیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور مفہوم کچھ سے کچھ ہو کر رہ گیا ہے۔ علمار کے جواب کے پیش نظر میں پہلے قاضی عیاض کی عبارت اور پھر اس کا ترجمہ لکھتا ہوں تاکہ حقیقتِ امر واضح ہو۔

قاضی عیاض مالکی کا بیان

روضۂ مطہرہ نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کے متعلق لکھا ہے لہ

فَصْلٌ فِي حُكْمِ زِيَارَةِ قَبْرِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضِيْلَةِ مَنْ زَارَهُ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَكَيْفَ يُسَلِّمُ وَيَدْعُو۔

وَزِيَارَةُ قَبْرِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَّةٌ مِنْ سُنَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا وَفَضِيْلَةٌ مُرَغَّبٌ فِيْهَا حَدَّثَنَا الْقَاضِيْ أَبُوْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْفَضْلِ بْنُ خَيْرُوْنَ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ عُمَرَ الدَّارَقُطْنِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْقَاضِي الْمَحَامِلِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ قَالَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ هِلَالٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ زَارَنِيْ فِي الْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ وَكُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَفِيْ حَدِيْثٍ آخَرَ مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔

وَكَرِهَ مَالِكٌ أَنْ يُقَالَ زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيْ مَعْنَى ذٰلِكَ فَقِيْلَ كَرَاهِيَةُ الْاِسْمِ لِمَا وَرَدَ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللهُ زُوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ، وَهٰذَا يَرُدُّهُ قَوْلُهُ، نَهَيْتُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا، وَقَوْلُهُ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ، فَقَدْ أَطْلَقَ اسْمَ الزِّيَارَةِ، وَقِيْلَ لِأَنَّ ذٰلِكَ لِمَا قِيْلَ إِنَّ الزَّائِرَ أَفْضَلُ مِنَ الْمَزُوْرِ، وَهٰذَا أَيْضًا لَيْسَ بِشَيْءٍ إِذْ لَيْسَ كُلُّ زَائِرٍ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَلَيْسَ هٰذَا عُمُوْمًا وَقَدْ وَرَدَ فِيْ حَدِيْثِ أَهْلِ الْجَنَّةِ زِيَارَتُهُمْ لِرَبِّهِمْ، وَلَمْ يُمْنَعْ هٰذَا اللَّفْظُ فِيْ حَقِّهِ تَعَالٰى، وَقَالَ أَبُوْ عِمْرَانَ رَحِمَهُ اللهُ إِنَّمَا كَرِهَ مَالِكٌ أَنْ يُقَالَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ وَزُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاسْتِعْمَالِ النَّاسِ ذٰلِكَ بَيْنَهُمْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَكَرِهَ تَسْوِيَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ النَّاسِ بِهٰذَا اللَّفْظِ وَأَحَبَّ أَنْ يُخَصَّ بِأَنْ يُقَالَ سَلَّمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَيْضًا فَإِنَّ الزِّيَارَةَ مُبَاحَةٌ بَيْنَ النَّاسِ وَوَاجِبٌ شَدُّ الْمَطِيِّ إِلٰى قَبْرِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ يُرِيْدُ بِالْوُجُوْبِ هُنَا وُجُوْبَ نَدْبٍ وَتَرْغِيْبٍ وَتَأْكِيْدٍ لَا وُجُوْبَ فَرْضٍ۔

لہ ملاحظہ کریں کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۷۴ و ۷۵۔

وَالْأَوْلٰی عِنْدِیْ اَنَّ مَنْعَهُ وَكَرَاهَةَ مَالِكٍ لَهُ لِاِضَافَتِهِ اِلٰی قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّهُ لَوْقَالَ زُرْنَا النَّبِيَّ لَمْ يَكْرَهْهُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا يُعْبَدُ بَعْدِیْ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، فَحَمٰی اِضَافَةَ هٰذَا اللَّفْظِ اِلَى الْقَبْرِ وَالتَّشَبُّهَ بِفِعْلِ اُولٰئِكَ قَطْعًا لِلذَّرِيْعَةِ وَحَسْمًا لِلْبَابِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

فصل۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم کی زیارت اور آپ کی زیارت اور آپ پر سلام کرنے والے کی فضیلت اور آپ پر سلام عرض کرنے اور دعا کی کیفیت کے بیان میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مطہر کی زیارت مسلمانوں کے طریقوں میں سے ایسا طریقہ ہے کہ جس پر سب کا اتفاق ہے اور ایسی فضیلت ہے جس کی تشویق اور رغبت دلائی گئی ہے۔ ہم سے قاضی ابوعلی نے، اُن سے ابوالفضل بن خیرون نے، اُن سے حسن بن جعفر نے، اُن سے ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی نے، ان سے قاضی محاملی نے، اُن سے محمد بن عبدالرزاق نے، اُن سے موسیٰ بن ہلال نے عبیداللہ بن عمر سے از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوئی۔" اور انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جو شخص نیکی سمجھتے ہوئے مدینہ میں میری زیارت کرے گا وہ میرا پڑوسی ہوگا اور قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔" اور دوسری حدیث میں ہے۔ "جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی، گویا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی ہے۔"

امام مالک کا قول

منقول ہے کہ امام مالک کو زُرنا قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا پسند نہ تھا۔ قاضی عیاض مالکی نے تفصیل سے اس کا بیان کیا ہے۔ اکابر کے اقوال نقل کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں امام مالک کے اس قول کے بیان میں اختلاف ہے۔

کہا گیا ہے کہ لفظ زُرنا (ہم نے زیارت کی) کی وجہ سے ان کو یہ بات ناپسند تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ" کے الفاظ فرمائے ہیں (اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر لعنت کی ہے) لیکن اس قول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی رد کر رہا ہے۔ "نُهِيْتُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا" تم زیارت قبور سے روکے گئے تھے، اب تم قبروں کی زیارت کرو۔" اور یہ ارشاد گرامی بھی رد کر رہا ہے۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ۔ "جس نے میری قبر کی زیارت کی۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات عالیہ میں زیارت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اور کہا گیا ہے، کہ ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کرنے والا اُس سے افضل ہوتا ہے جس کی زیارت کی گئی ہے۔ لیکن یہ بات بے وقعت ہے کیوں کہ ہر زیارت کرنے والا اس کیفیت اور صفت کا حامل نہیں ہوا کرتا اور پھر یہ کوئی عام قاعدہ نہیں ہے، "اہل جنت" کی حدیث میں آیا ہے کہ وہ اپنے رب کی زیارت کریں گے۔ اس لفظ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے حق میں کیا گیا ہے اور اس سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ (یعنی زیارت کے لفظ کے استعمال کرنے سے)۔

ابوعمران کا بیان

آپ نے کہا ہے، امام مالک کو ناپسند تھا کہ کوئی کہے (طواف الزیارۃ) طوافِ زیارت یا (زرنا قبر النبی) ہم نے قبر نبی کی زیارت کی، کیونکہ زیارت کا لفظ عام طور پر رائج ہے، لوگ اس کا استعمال ایک دوسرے کے متعلق کرتے ہیں، حضرت امام کو یہ بات ناپسند ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو عام لوگوں میں استعمال ہوتا ہو، آپ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبارت کی تخصیص ہو اور کہا جائے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام پیش کیا۔

اور یہ بات بھی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنی مُباح ہے اور آپ کی مبارک قبر کے لئے کاٹھیاں کس کے (سفر کر کے) جانا واجب ہے۔

ابوعمران کا مقصد وجوب سے ندب (بہتر ہونا) ترغیب (رغبت دلانی) اور توکید کا ضروری ہونا ہے اور وہ وجوب مراد نہیں ہے جو فرض کے معنی میں ہے۔

اور میرے (قاضی عیاض رحمہ اللہ) نزدیک یہ توجیہ بہتر ہے کہ امام مالک "زُرْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ" کے استعمال کو اس وجہ سے ناپسند کرتے اور روکتے تھے کہ زرنا کی نسبت قبر مبارک کی طرف ہے۔ (ہم نے قبر نبی کی زیارت کی) اور اگر "زُرْنَا النَّبِیَّ" (ہم نے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی) کہا جاتا، وہ ناپسند نہ کرتے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "یا اللہ، میری قبر کو میرے بعد مورتی نہ بنا کہ اس کی عبادت کی جائے، اللہ کا شدید غضب اس قوم پر ہوا ہے جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنا لیا ہے۔" حضرت امام نے قبر کی طرف زیارت کی نسبت کرنے سے، بچانا چاہا ہے تا کہ انبیا کی قبور کو مساجد بنانے والوں سے کچھ بھی مشابہت نہ پیدا ہو (لفظی مشابہت بھی نہ رہے) یہ سب کچھ ذرائع کے نیست و نابود کرنے اور قبر کو سجدہ گاہ بنانے کے دروازہ کو بند کرنے کے لئے ہے، واللہ اعلم۔

یہ ہے حضرت امام مالک کا مبارک ارشاد۔ بھلا آپ کے قول کو علامہ ابن تیمیہ کے مسلک سے کیا لگاؤ، آپ کے مذہب کا بیان جناب ابوعمران نے کیا ہے کہ آپ کی قبر مطہر کی زیارت کے لئے کاٹھیاں باندھ کر سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ لازم ہے از روئے ندب و ترغیب و توکید، قاضی

عیاض لکھ رہے ہیں کہ آپ کی قبر مکرم کی زیارت مسلمانوں کے طریقوں میں سے ایسا طریقہ ہے کہ جس پر سب کا اتفاق ہے اور آپ اعلیٰ اور متصل سند کے ساتھ اُن مبارک احادیث شریفہ کی روایت کر رہے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تشویق و ترغیب دلائی ہے کہ وہ آپ کی قبر مکرم کی زیارت کر کے دارین کی سعادت حاصل کرلے۔

امام مالک اور منصور عباسی

قاضی عیاض نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے لکھتے ہیں[۵۱] خلیفہ اپنے رفقا کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کرتے ہوئے حرم نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام، میں داخل ہوتے۔ امام مالک حرم میں بیٹھے تھے — انھوں نے ابوجعفر سے کہا۔ اے امیر المومنین۔ اس مسجد مبارک میں اپنی آواز بلند نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ادب سکھاتے ہوئے کہا ہے[۵۲] "اے ایمان والوں، اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر، اور اس سے نہ بولو لوکھ کر، جیسے کھلتے ہو ایک دوسرے پر، کہیں اکارت ہو جائیں تمہارے کئے اور تم کو خبر نہ ہو" اور ان لوگوں کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے، "جو لوگ دبی آواز بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے، ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا" اور ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے، "جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو دیوار کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔" اور آپ کی حرمت مرنے کے بعد اسی طرح ہے جس طرح آپ کی حرمت آپ کی حیات میں تھی۔ یہ سن کر ابوجعفر منصور پر انکساری اور عاجزی چھائی اور انھوں نے امام مالک سے کہا۔" اے ابوعبداللہ، میں دعا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ رکھوں، آپ نے فرمایا۔ تم اپنا منہ ان سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) کیوں موڑتے ہو، وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں اللہ کے پاس قیامت کے دن، تم اُنہی کی طرف منہ رکھو اور اُن کو شفیع بناؤ، اللہ ان کی شفاعت قبول کرے گا، وہ فرماتا ہے[۵۳]" اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا بُرا کیا تھا، آتے تیرے پاس، پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُن کو بخشواتا، اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔"

حضرت امام مالک آپ کی امت کے عاجزوں اور خطاکاروں کو مسرت افزا پیام سنا رہے ہیں کہ وہ رحمتِ عالمیان کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہوں اور آپ کو وسیلہ بنائیں، توبہ، استغفار کریں۔ حضرت رحمت عالمیان بِاٰبَائِنَا هُوَ وَبِاَنْفُسِنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس کے واسطے طلبِ مغفرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنا کرم اور احسان کرے گا۔

---

۵۱ ملاحظہ کریں شفا کی فصل۔ حرمت نبوی کے بیان میں ج ۲ ص ۳۴۔ ۵۲ ملاحظہ کریں سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۲، ۳، ۴۔ ۵۳ ملاحظہ کریں سورۂ نساء آیت ۶۴۔

علامہ ابن تیمیہ کو اس بات پر بھی اعتراض ہے۔ وہ لکھتے ہیں [۱]
"وَهٰؤُلَاءِ قَدْ يَظُنُّوْنَ اَنَّ وُجُوْدَ النَّبِيِّ مَقْبُوْرًا بَيْنَهُمْ مِثْلُ وُجُوْدِهٖ فِيْ حَيَاتِهٖ" الخ
یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ آپ کا مدفون وجود بہ منزلہ آپ کے زندہ وجود کے ہے۔ اور اس کے بعد انھوں نے اپنے استدلالات کو تفصیل سے لکھا ہے۔

علامہ سمہودی کی تحریر

سمہودی نے ابو الفتح کے ہاتھ کی تحریر سے امام احمد بن حنبل کی روایت عبد الملک بن عمرو از کثیر بن زید از داؤد بن ابی صالح لکھی ہے [۲] جو درج ذیل ہے۔

مروان نے ایک شخص کو قبر مکرم پر اپنے رخسار کو رکھے دیکھا۔ مروان نے اس شخص کی گردن پکڑ کر کہا۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا۔ میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا ہے۔ " دین پر اُس وقت نہ رو جب کہ دینداروں کے ہاتھ میں دین کی زمام ہو، البتہ اُس وقت دین پر آنسو بہاؤ جب کہ غیر دینداروں کے ہاتھ میں دین کی زمام آجائے۔" یہ معلوم ہو کہ قبر مطہر پر رخسار ملنے والے حضرت ابو ایوب انصاری تھے۔

حافظ ابن حجر کی تحریر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے سالم بن عبد اللہ بن عمر کے متعلق لکھا ہے [۳]

حضرت سالم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اُن مقامات سے برکت حاصل کیا کرتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی، اور ابن حجر نے عتبان کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے، وہاں آپ نے نماز پڑھی، عتبان نے اس مبارک مقام کو مصلیٰ بنا لیا، پھر ابن حجر نے لکھا ہے، "هُوَ حُجَّةٌ فِي التَّبَرُّكِ بِآثَارِ الصَّالِحِيْنَ"۔ نیک بندوں کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے لئے یہ واقعہ حجت اور دلیل ہے۔"

سالم حضرت عبد اللہ بن عمر کے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے اپنے والد کو جو کچھ کرتے دیکھا، اس پر عمل کیا، علامہ ابن تیمیہ رسالہ "الردّ علی الاخنائی" کے صفحہ ۱۰۸ میں اس کا ذکر کر چکے ہیں اور صفحہ ۱۱۴ میں ذکر کیا ہے کہ وہ منبر نبوی کے مبارک مٹھے سے برکت حاصل کیا کرتے تھے اور صفحہ ۱۶۹ میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ سفر سے مدینہ منورہ پہنچتے تھے، مسجد شریف میں دو رکعت نماز پڑھ کر مزار شریف پر حاضر ہو کر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے دایاں ہاتھ قبر مبارک پر رکھ کر آپ پر سلام عرض کرتے تھے اور پھر حضرت ابو بکر پر اور اپنے والد پر سلام عرض کرتے تھے۔

---

[۱] ملاحظہ کریں الرد علی الاخنائی ص۵۵۔ [۲] ملاحظہ کریں وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۰۔ [۳] ملاحظہ کریں فتح الباری ج ۲ ص ۴۶۹۔

قبور کو مساجد بنانا

علامہ ابن تیمیہ نے اُن روایات سے استدلال کیا ہے جن میں قبور کو مساجد بنانے پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ تعجب ہے ان احادیث سے زیارتِ قبور کے مسئلہ کا کیا تعلق، حجۃ الاسلام امام غزالی نے نہایت درست بات کہی ہے۔ "ہم کو ان کا استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ زیارت قبور کی اجازت ملی ہے۔"

علّامہ ابنِ تیمیہ کا انوکھا استدلال

علمائے کرام نے حج کے بیان کے بعد لکھا ہے، .... "یُسْتَحَبُّ زِیَارَۃُ قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مکرم کی زیارت مستحب ہے، علامہ ابن تیمیہ نے علما کی اس عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے[۱] "مُرَادُھُمْ بِذٰلِکَ ھُوَ السَّفَرُ اِلٰی مَسْجِدِہٖ" ان کا مقصد اس سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو سفر کرنا ہے۔ سبحان اللہ بہ یک جنبش قلم ساری عبارتوں کا مفہوم بدل دیا، اس انوکھے استدلال سے علامہ ابن تیمیہ کے اس قول کی حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ "جو بھی میری تحریر میں میری مخالفت کرے گا میں اس کے مذہب کو اس سے زیادہ جانتا ہوں[۲]" آپ کا زیادہ جاننا یہی ہے کہ آپ من مانی تاویل کریں گے۔

حنفیہ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ قبرِ مطہر کی زیارت افضل مندوبات و مستحبات ہے۔ بل تقرب من درجۃ الواجبات، بلکہ واجبات کے درجہ کے قریب ہے۔ مناسک کرمانی اور شرح مختار اور فتاوی ابو اللیث میں اس کا ذکر ہے۔ علامہ عینی اور ابن ہمام کی عبارتیں گزر چکی ہیں۔ مؤخر الذکر صراحۃً لکھ رہے ہیں کہ نیت قبر مطہر کی کرے، مسجد شریف کو شامل نہ کرے۔ علامہ قاضی خاں نے لکھا ہے[۳] رخصت کے وقت یہ دعا کرے۔ "اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ ھٰذَا آخِرَ الْعَھْدِ مِنْ قَبْرِ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَارْزُقْنَا الْعَوْدَ اِلَیْہِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ وَیَدْعُو .... لِصَاحِبَیْہِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا فَیَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکُمَا وَیَسْاَلُ حَاجَتَہٗ" اے اللہ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مطہر کی اس زیارت کو ہمارے لئے آخری زیارت نہ بنا، تو ہم کو قبر مطہر کی حاضری کی پھر توفیق دے اے بڑی شان اور کرم والے۔ اور آپ کے صاحبان ابوبکر و عمر کے لئے دعا کرے۔ اللہ ان دونوں سے راضی ہو۔ اور ان سے کہے۔ آپ دونوں پر سلام ہو۔ اور اپنی حاجت طلب کرے۔" اس مبارک دعا میں مسجد شریف کا کہیں نام بھی نہیں ہے۔

حضرات مالکیہ کا مذہب قاضی عیاض مالکی نے تفصیل سے لکھا ہے۔ جناب ابو عمران کھلے الفاظ میں لکھ رہے ہیں کہ آپ کی مبارک قبر کے واسطے سفر کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض بیان

[۱] کتاب الرد علی الاخنائی ص ۱۵۔ [۲] حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص ۳۱۔ [۳] فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۵۱۔

کررہے ہیں کہ یہ وجوبِ ندب و ترغیب و توکید ہے اور امام مالک آپ کی عاجز امت کو نوید مسرت سنا رہے ہیں کہ وہ آستانہ مبارکہ پر حاضر ہوکر صلاۃ وسلام عرض کریں۔ صدق دل سے توبہ کریں اور آپ کو مولائے کریم کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں اور آپ کی شفاعت کے طلبگار ہوں۔ آپ ان کے واسطے مغفرت کے طلبگار ہوں گے اور مولائے کریم ان کی خطائیں معاف کرے گا۔

امام غزالی، علامہ تقی الدین سبکی، حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی، علامہ دیجوی شافعی ہیں اور یہ سب حضرات حدیث لاتشد الرحال کو صرف مساجد تک محدود رکھتے ہیں اور قبر مطہر کے لئے سفر کرنے کو سعادت عظمیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات نے اُن احادیث مبارکہ کو قابل تمسک قرار دیا ہے جن کو علامہ ابن تیمیہ موضوعی قرار دیتے ہیں۔

حنابلہ کا مسلک

حضرات حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے جو شوافع، موالک اور احناف کا ہے، علامہ تقی الدین ابوالحسن علی سبکی متوفی ۷۵۶ھ نے لکھا ہے [۱]

"وَکَذٰلِکَ نص علیہ الحنابلۃ ایضا۔ قال ابوالخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن الکلوذانی الحنبلی فی کتاب الھدایۃ فی آخر باب صفۃ الحج۔ واذا فرغ من الحج استحب لہ زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قبر صاحبیہ۔ وقال ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن الحسین بن احمد بن القاسم بن ادریس السامری فی کتاب المستوعب، باب زیارۃ قبر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم واذا قدم مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، استحب لہ ان یغتسل لدخولھا ثم یاتی مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ویقدم رجلہ الیمنی فی الدخول ثم یأتی حائط القبر فیقف ناحیۃ ویجعل القبر تلقاء وجھہ والقبلۃ خلف ظھرہ والمنبر عن یسارہ۔ وذکر کیفیۃ السلام والدعاء الی آخرہ، ومنہ، اللھم انک قلت فی کتابک لنبیک علیہ السلام۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک الآیۃ۔ وانی قد اتیت نبیک مستغفرا، فاسألک ان توجب لی المغفرۃ کما أوجبتھا لمن اتاہ فی حیاتہ اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک صلی اللہ علیہ وسلم وذکر دعاء طویلا ثم قال واذا اراد الخروج عاد الی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فودع۔"

"حنابلہ نے بھی یہی کچھ کہا ہے، ابوالخطاب محفوظ کلوذانی حنبلی نے کتاب الہدایہ کے حج کے بیان کے آخر میں لکھا ہے: جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے بہتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے صاحبان کے قبر کی زیارت کرے: اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سامری نے کتاب المستوعب کے باب زیارۃ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے: جب

[۱] ملاحظہ کریں شفاء السقام ص۵۴ و ۵۵۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچے۔ بہتر ہے کہ مدینہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو آئے۔ اور پہلے اپنا دایاں پاؤں داخل کرے پھر قبر کی دیوار کے پاس آئے اور قبر کو اپنے منہ کے سامنے رکھے اور قبلہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے اور منبر کو بائیں طرف۔

اس کے بعد ابوعبداللہ سامری نے سلام اور دعا کی کیفیت لکھی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے۔ اے اللہ۔ تو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی علیہ السلام سے کہا ہے۔" اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا بُرا کیا تھا، آتے تیرے پاس، پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُن کو بخشواتا، اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان (نساء ۶۴)

اور میں تیرے نبی کے پاس استغفار کرتا ہوا آیا ہوں۔ اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لئے مغفرت واجب کردے، جس طرح تو نے ان لوگوں کے لئے واجب کی تھی جو اُن کے پاس اُن کی حیات میں آئے تھے۔ اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوا ہوں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔

اور پھر بڑی دعا لکھی ہے اور کہا ہے کہ جب مدینہ سے جانے کا قصد کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو اور رخصت ہو۔

زیارت قبر مکرم کے سلسلہ میں علامہ یوسف دیجوی نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مطہر کی زیارت کے لئے سفر کرنا چاروں مذاہب میں مستحب ہے سب کا اس پر اتفاق ہے۔ چاروں مذاہب کے علماء نے خوب تفصیل سے زیارت مبارکہ کے آداب لکھے ہیں، اس سلسلہ میں حنابلہ کا بھی اختلاف نہیں ہے، ابن تیمیہ اور ان کے اتباع نے امت کے اتفاق کو پارہ پارہ کیا ہے، یہ لوگ زائرین قبور پر اُن آیات مبارکہ کو منطبق کرتے ہیں جو کافروں اور بُت پرستوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان کا یہ فعل فتنہ پیدا کرنے اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔" اے رب ہمارے دل نہ پھیر جب ہم کو ہدایت دے چکا اور دے ہم کو اپنے ہاں سے مہربانی، تو ہی سب دینے والا ہے۔"

احادیث زیارت

استاذی علامہ شیخ محمد نجیت مطیعی حنفی نے رسالہ تَطْهِيْرُ الْفُؤَادِ مِنْ اَنَسِ الاعتقادِ" میں، علامہ شیخ سمہودی نے کتاب "وَفَاءُ الْوَفَا" میں اور علامہ محقق تقی الدین ابوالحسن علی سبکی نے کتاب "شفاء السقام فی

---

[۱] اس مقالہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

زیارۃ خیر الأنام"، میں اُن سترہ احادیث مبارکہ پر تفصیل سے بحث کی ہے جن کو امام غزالی، علامہ ابن الہمام اور اکابر نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں محدثین کے اقوال نقل کئے ہیں بعض روایات صحیحہ ہیں، بعض حسن اور بعض ضعیف اور من حیث المجموع شایان استدلال اور برہان قوی ہیں۔

علامہ سمہودی نے یہ بھی لکھا ہے [1] جب حضرت عمر اہل بیت المقدس سے صلح کر کے مدینہ منورہ کو روانہ ہونے لگے، تو آپ نے کعب احبار سے جو کہ مسلمان ہو گئے تھے، فرمایا، هَلْ لَكَ أَنْ تَسِيرَ مَعِيَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ وَتَزُوْرَ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کیا تمہاری خواہش ہے کہ میرے ساتھ مدینہ چلو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرو۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت سعادتِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ نہ ہوتی تو حضرت عمر کعب احبار سے کیوں فرماتے۔

علامہ ابن تیمیہ نے ان تمام احادیث مبارکہ کو جو زیارتِ قبر نبوی عَلٰى صَاحِبِهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ سے تعلق رکھتی ہیں بہ یک جنبش قلم موضوعی قرار دے دیا ہے، وہ لکھتے ہیں [2]

"فَكُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ بِاتِّفَاقِ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيْثِ بَلْ هِيَ مَوْضُوْعَةٌ لَمْ يَرْوِ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ السُّنَنِ الْمُعْتَمَدَةِ شَيْئًا مِنْهَا"

یہ سب حدیثیں بہ اتفاق علمائے اہل حدیث ضعیف ہیں بلکہ موضوعی ہیں (بنائی ہوئی ہیں) اصحاب سنن معتمدہ میں سے کسی نے بھی ان میں سے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔

چاروں مذاہب کے جلیل القدر علماء نے ان روایات کو قبول کیا ہے۔ ان حضرات نے ہر روایت کو پرکھا ہے کسی کو صحیح، کسی کو حسن اور کسی کو ضعیف قرار دیا ہے، کیا صدہا سال سے جن مبارک روایات پر عمل ہو رہا ہے اور جن کو اُمت نے قبول کیا ہے علامہ ابن تیمیہ کے کہہ دینے سے موضوعی ہو جائیں گی۔

علامہ ذہبی، علامہ ابن تیمیہ کے گرویدہ تھے۔ انھوں نے جب علامہ ابن تیمیہ کی یہ شدت اور سختی دیکھی بالآخر لکھنا پڑا [3]

یالیت احادیث الصحیحین تسلم منك بل فی کل وقت تغیر علیها بالتضعیف والاهدار اوبالتأویل والانکار۔

اے کاش بخاری، مسلم کی حدیثیں تم سے سلامت رہ جاتیں، تم تو ہر وقت ان پر حملے کرتے رہتے ہو ان کو کمزور اور بے قدر کرنے یا اُن کی تاویل اور انکار کے لئے۔

---

[1] وفاء الوفاء ۲ ص۴۰۹۔ [2] کتاب الرد علی الأخنائی ص۱۵۹۔ [3] ملاحظہ کریں النصیحۃ الذہبیۃ کا آٹھواں بند۔

علامہ ابن ہمام کی تحقیق

احادیث شریفہ کو صحیح اور غیر صحیح قرار دینے کے سلسلہ میں علامہ ابن الہمام نے اچھی دقیق بحث کی ہے، ہیں حسب ضرورت کچھ لکھتا ہوں، جویائے تحقیق ان کی کتاب کی طرف مراجعت کرے۔ فرماتے ہیں[1]

جس نے یہ بات کہی ہے کہ سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہے جو بخاری و مسلم میں ہے پھر وہ جو بخاری میں ہے پھر وہ جو مسلم میں ہے پھر وہ جو ان دونوں کی شرطوں پر ہو، پھر جو بخاری کی شرط پر ہو، پھر جو مسلم کی شرط پر ہو، تحکم "لایجوز التقلید فیہ" بلا وجہ کا حکم چلانا ہے اور اس بات کی پیروی جائز نہیں۔ کیوں کہ حدیث کے زیادہ صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ راوی ان شرطوں پر پورا اترتا ہو جس کا بیان بخاری اور مسلم نے کیا ہے، اب اگر ان شروط پر کوئی حدیث ہو تو پھر بخاری اور مسلم کی تصحیح کس بنا پر کی جاتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں کہ ان پر ناقدین نے جرح کی ہے اور بخاری میں بھی ایسی حدیثیں ہیں جن میں کلام ہے، مدارِ کار راویوں کا پرکھنا اور شروط کا دیکھنا ہے کہ وہ پوری ہیں یا نہیں۔

آپ فرماتے ہیں۔ علماء کی مقرر کی ہوئی شرطوں میں اختلاف ہے کوئی کسی راوی کو ضعیف قرار دیتا ہے اور کوئی اس کی توثیق کرتا ہے، جن لوگوں کو اجتہاد میں سے نصیبہ نہیں ملا ہے اور ان میں راویوں کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہے، اُن کے نفس کو سکون اس صورت میں ملتا ہے کہ وہ اس قول کو لیتے ہیں جس پر اکثر کا اتفاق ہوا ہے، لیکن اصحاب بینش اور دانش راویوں کے احوال پر نظر ڈالتے اور ان کو پرکھتے ہیں اور اس کو دیکھتے ہیں کہ حضراتِ اکابر صحابہ کا عمل کیا رہا ہے اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ بخاری کی روایت کردہ صحیح حدیث ان کے نزدیک مرجوح ہو اور جس حدیث کو بخاری نے صحیح نہ سمجھا ہو وہ ان کے نزدیک صحیح ثابت ہو۔ ہر حدیث اپنے سند کے اعتبار سے صحیح یا حسن یا ضعیف ہوا کرتی ہے، اور بہ اعتبار واقع اور قرائنِ دالّہ کے ہو سکتا ہے کہ صحیح سند والی حدیث، نفس الامر میں ضعیف ہو اور ضعیف صحیح۔ الخ۔

ابوالحسن زید کہتا ہے۔ علامہ ابن ہمام کے اس بیان سے حضرات ائمہ مجتہدین کا..... مسلک واضح ہو رہا ہے۔ حضرت امام مالک نے زہری سے سالم بن عبداللہ بن عمر کی روایت رفع یدین کی کی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کو جاتے وقت، اور رکوع سے کھڑے ہوتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا ہے، زہری کی یہ روایت بخاری میں ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ نہایت اعلیٰ سند ہے اور اس کو سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے باوجود اس کے حضرت امام مالک کا عمل اس روایت پر نہیں ہے، "کِتَابُ الْفِقْهِ عَلَى الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ"...

[1] ملاحظہ کریں فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۷، ۳۱۸ باب النوافل۔

میں لکھا ہے [1]

رَفْعُ الْيَدَيْنِ حَذْوَ الْمُنْكِبَيْنِ عِنْدَ تَكْبِيرَةِ الْاِحْرَامِ مَنْدُوْبٌ وَفِيمَا عَدَا ذٰلِكَ مَكْرُوْهٌ۔
مونڈھوں کے محاذات تک ہاتھوں کا اٹھانا نماز شروع کرتے وقت بہتر ہے اور اس کے سوا مکروہ۔

اگرچہ روایت بہ اعتبار سند کے صحیح ہے لیکن بہ اعتبار قرائنِ دالّہ کے شایانِ عمل نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے بھی اس پر عمل نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام کے اس بیان سے یہ بات متحقق ہوئی کہ سیکڑوں برس سے ائمۂ اعلام اور فقہائے کرام کا جن روایات پر عمل ہے اگرچہ ناقدینِ حدیث کے نزدیک وہ روایات مجروح او ضعیف ہوں، ائمہ اور فقہا کے استدلال میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ ان حضرات کے اختیار کرنے سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ روایاتِ صحیحہ ہیں اور اُن کا اختیار کرنا ہمارے واسطے حجّت اور دلیل ہے۔

مُبارک آثار سے برکت حاصل کرنی

علامہ سمہودی کی تحریر میں حضرت ابوایوّب انصاری کا واقعہ لکھا جاچکا ہے اور حافظ ابن حجر کی تحریر میں حضرت عتبان کا واقعہ اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کے واقعہ کا بیان ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل لکھا ہے، اب میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کے واقعات لکھتا ہوں۔

بحریّہ نے بیان کیا ہے [2] میرے چچا خداش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیالے میں طعام تناول کرتے دیکھا۔ انھوں نے وہ پیالہ آپ سے طلب کیا اور آپ نے ان کو عنایت کر دیا۔ وہ مبارک پیالہ ہمارے گھر میں تھا، حضرت عمر کی جب بھی آمد ہوتی، فرماتے لاؤ وہ پیالہ۔ اور ہم زمزم سے بھر کر وہ پیالہ آپ کے پاس لاتے۔ آپ زمزم پیتے اور جو بچ رہتا اس کو اپنے سر اور منہ پر ڈال لیتے، اتفاق سے ہمارے گھر میں چوری ہوئی اور وہ مبارک پیالہ بھی چوری ہوا۔ اس کے بعد جب حضرت عمر کی آمد ہوئی، آپ نے حسب معمول وہ مبارک پیالہ طلب کیا۔ ہم نے اس کے چوری ہو جانے کا ذکر کیا، آپ نے سن کر فرمایا "لِلّٰهِ اَبُوْهُ، سَرَقَ صُحْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" واہ کیا کہنے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ چرالیا۔ اس کے بعد بحیرہ نے کہا۔ فَوَاللّٰهِ مَاسَبَّهٗ وَلَا لَعَنَهٗ۔ قسم ہے خدا کی نہ تو آپ نے اس کو

---

[1] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ صـ۱۸۹

[2] ملاحظہ کریں طبقات ابن سعد ج ۷ صـ۵۱

گالی دی اور نہ لعنت کی۔

علمائے اعلام نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے[1] کہ حضرت ابو بکر نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا۔ اگر اہل عرب میں اختلافات ہو جائیں تو اے فرزند تم اس غار کو چلے جانا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں چھپا تھا۔ ان شاء اللہ صبح شام تمہارا رزق تم کو ملتا رہے گا۔

ماوائے شیاطین

علامہ ابن تیمیہ نے اگر قبر مطہر نبوی علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام کی زیارت مبارکہ سے متعلق تمام احادیث مبارکہ کو مکذوبہ اور موضوعہ قرار دیا ہے تو آثار مبارکہ کے متعلق لکھدیا ہے[2]

وکذلك مایسافرالیه بعض الناس من المغارات ونحوها من الجبال قاصدین لتعظیم تلك البقعة بالشام ومصر والجزیرة وخراسان وغیرها وکل موضع تعظمه الناس غیرالمساجد ومشاعرالحج فانه ماوی الشیاطین ویتصورون بصورة بنی آدم احیانا۔

"جو لوگ شام، مصر، جزیرۂ عرب، خراسان اور دوسرے مقامات میں پہاڑوں میں مغارات وغیرہ کو جاتے ہیں اور ان کا مقصد اُن مقامات کی تعظیم ہوتی ہے، اس سلسلہ میں یہ بات ہے کہ مساجد اور مشاعر حج کے علاوہ ہر وہ جگہ جس کی تعظیم لوگ کرتے ہیں، وہ شیاطین کا ٹھکانا ہے اور کبھی کبھار بنی آدم کی شکل میں اُن پر ظاہر ہوتے ہیں۔"

کہاں کوہ طور کی مبارک گھاٹی وادی مُقدس طُویٰ، کہاں مبارک عبادت گاہ غارِ حرا، اور کہاں مبارک پناہ گاہ غارِ ثور اور کہاں بیت المقدس میں وہ مبارک مقام جہاں فرشتہ انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا، ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ اس پر پوری انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور کہاں شیاطین کے ٹھکانے۔

ع عقل ز حیرت بسوخت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

علامہ ابن تیمیہ کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے بہت خوب مشورہ دیا ہے[3]

"الذی اخطأ فیه لایقلد فیه بل هو معذور"

جن مسائل میں اُن سے خطا ہوئی ہے، اُن میں اُن کی تقلید نہ کی جائے وہ اُن میں معذور ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ نے توحید کا جو فلسفہ گھڑا ہے اور توحید الوہیت، توحید ربوبیت کے جو شاخسانے نکالے ہیں، یہ سب اسی کے اثرات و ثمرات ہیں۔ اس فلسفہ نے ان کو معذور کر دیا ہے۔

دعائے استمداد

ائمۂ حدیث نے اس مبارک دعا کی روایت کی ہے[4]

---

[1] ملاحظہ کریں مسند ابی بکر صفحہ، لسان المیزان ج ۶ صفحہ ۱۳۱، کنز العمال کتاب الفتن قسم افعال حدیث ۹۹ اور بیہقی کی دلائل نبوت۔ [2] الرد علی الاخنائی صفحہ ۱۷۵۔ [3] رسالۃ الرد الوافر کی تقریظ۔ [4] حصن حصین چوتھی منزل۔

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّتُہٗ فَلْیُنَادِ اَعِیْنُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ (بزار) رَحِمَکُمُ اللّٰہُ (ابن ابی شیبہ موقوفا)

جب اس کا جانور بھاگ جائے تو پکار کر کہے۔ اے اللہ کے بندو، میری مدد کرو (بزار) اللہ تم پر رحم کرے (ابن ابی شیبہ)۔

وان ارادعونا فلیقل یا عبادالله اعینونی، یا عباد الله اعینونی، یا عبادالله اعینونی (طبرانی)

اور اگر مدد چاہے تو کہے، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ طبرانی نے روایت کی ہے اور طبرانی نے لکھا ہے۔ جُرِّبَ ذٰلِکَ۔ اس کا تجربہ کیا گیا ہے۔

اس مبارک دعا کو امام جزری نے حصن حصین میں لکھا ہے، وہ اس مبارک کتاب کی تالیف سے یکشنبہ ۲۲ ذی الحجہ ۷۹۱ھ میں فارغ ہوئے ہیں۔ جس دن سے یہ مبارک کتاب لکھی گئی ہے مقبول خلائق ہوئی ہے۔ علماء اعلام نے اس کی شرحات لکھی ہیں۔ خلق خدا نے اس کو اپنا ورد بنایا ہے، اس مبارک دعا کے متعلق علامہ ابن تیمیہ نے کچھ لکھا ہے یا نہیں، مجھ کو اس کا علم نہیں، البتہ اب اس دور کے بعض افراد کو اس مبارک دعا میں کچھ نقائص معلوم ہوئے ہیں اور انھوں نے کچھ لکھا ہے، ان کے ازالہ شکوک کے لئے مختصر طور پر عرض ہے۔

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب حنبلی نجدی نے لکھا ہے [۱]

رَوَی الْحَاکِمُ فِیْ صَحِیْحِہٖ وَاَبُوْ عَوَانَۃَ وَالْبَزَّارُ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ وَابْنُ السُّنِّیِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّۃُ اَحَدِکُمْ بِاَرْضٍ فَلَاۃٍ فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰہِ احْبِسُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ احْبِسُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ احْبِسُوْا۔ ثَلَاثًا۔ فَاِنَّ لِلّٰہِ حَاضِرًا سَیَحْبِسُہٗ۔ وَقَدْ رَوَی الطَّبْرَانِیُّ اِنْ اَرَادَ عَوْنًا فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ۔

ذکر ھٰذا الحدیث الائمۃ فی کتبھم ونقلوہ اشاعۃً وحفظًا للامّۃ ولم ینکروہ، منھم النووی فی الاذکار وابن القیم فی کتابہ "الکلم الطیب" وابن مفلح فی "الآداب" بعد ان ذکر ھذا الاثر قال قال عبد اللّٰہ بن الامام احمد سمعت ابی یقول حججت خمس حجج فضللت الطریق فی حجۃ وکنت ماشیًا فجعلت اقول یا عباد اللّٰہ دلونا علی الطریق فلم ازل اقول ذلک حتّٰی وقعت علی الطریق۔"

(حاکم نے اپنی صحیح میں، ابو عوانہ اور بزار نے صحیح سند سے، اور ابن سنی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کسی کا جانور بیابان میں بھاگ جائے تو پکار کر کہے، اے اللہ کے بندو روکو، اے اللہ کے بندو روکو، اے اللہ کے بندو روکو۔ تین بار۔ اللہ کا حاضر ہے (خدمتگار ہے) وہ اس کو روکے گا۔ اور طبرانی نے روایت کی

---

[۱] ملاحظہ کریں الصواعق الالٰھیۃ فی الرد علی الوھابیہ ص ۳۵

ہے۔ اگر مدد کا طلبگار ہو، تو کہے۔ اے اللہ کے بندو، میری اعانت کرو۔

ائمہ نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور اُمت کے واسطے اس کی نقل، اشاعت اور حفاظت کی ہے، انھوں نے انکار نہیں کیا ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے والے ائمہ میں سے نووی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب "الاذکار" میں اس کو لکھا ہے، ابن قیم نے "الکلم الطیب" میں، اور ابن مفلح نے "الآداب" میں۔ ابن مفلح نے اس اثر کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، امام احمد حنبل کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ میرے والد نے فرمایا۔ میں نے پانچ مرتبہ حج کیا۔ ایک مرتبہ راستے میں بھٹک گیا۔ میں پیادہ پا تھا۔ میں نے کہنا شروع کیا۔ اے اللہ کے بندو، مجھ کو راستہ بتاؤ۔ میں اس کو دہراتا رہا، یہاں تک کہ راستے پر پہنچ گیا)۔

اللہ کے فضل و کرم سے حدیث شریف مستند ہے ائمہ اور اللہ کے نیک بندوں نے اس پر عمل کیا ہے اور اُن کی پریشانیاں رفع ہوئی ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے سورۂ نازعات میں "فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا" کے بیان میں لکھا ہے [۱]

قَالَ الْبَغَوِیُّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هُمُ الْمَلَائِكَةُ الَّذِيْنَ وُكِّلُوْا بِاُمُوْرٍ عَرَّفَهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا۔

بغوی کہتے ہیں کہ ابن عباس نے "المدبرات" کے متعلق فرمایا۔ وہ ایک جماعت ہے۔ فرشتوں کی کہ ان کو کاموں پر مقرر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ کام بتائے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب روضۂ مطہرہ سے ایام حرہ میں اذان سنا کرتے تھے، اللہ کی مخلوق ہے جو اپنے اپنے کام سے لگی ہوئی ہے، سعدی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

اختتامیہ علامہ ابن تیمیہ کے احوال مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عہد زرین میں پیدا کیا، علوم و فضائل و کمالات سے خوب متصف کیا، ان کے مخالفین کو بھی اس کا اعتراف تھا۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ جب تک وہ جمہور کے ساتھ رہے ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اور جس دن سے ان کو شذوذات کی تلاش ہوئی اور انھوں نے ائمۂ مجتہدین اور جمہور کے مسلک سے باہر قدم نکالا، اُن کی مقبولیت رُو بہ زوال ہوئی، ان کے طرفدار ان سے الگ ہوئے اور قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی، صاحب فضل و کمال تھے۔ علامہ ابن تیمیہ کے شذوذات اور تفردات سے متنفر تھے انھوں نے رسالہ "الرد الوافر" کی تقریظ لکھی۔ اس میں علامہ ابن تیمیہ

---

[۱] تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۸۷۔

کے متعلق جو رائے قائم کی ہے، نہایت درست اور انصاف پر مبنی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

مَعَ ذٰلِكَ فَهُوَ بَشَرٌ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ، فَالَّذِي اَصَابَ فِيْهِ وَهُوَ الْاَكْثَرُ يُسْتَفَادُ عَنْهُ وَيُتَرَحَّمُ عَلَيْهِ بِسَبَبِهٖ، وَالَّذِي اَخْطَأَ فِيْهِ لَا يُقَلَّدُ فِيْهِ بَلْ هُوَ مَعْذُوْرٌ۔

(ان تمام فضائل اور علم و کمالات کے ہوتے ہوئے ابن تیمیہ ایک بشر ہیں، جو خطا بھی کرتا ہے اور صواب پر بھی رہتا ہے۔ جن مسائل میں وہ صواب پر رہے ہیں، وہ زیادہ ہیں، اُن سے استفادہ کیا جائے اور اُن کی وجہ سے ابن تیمیہ کے واسطے رحمت کی دعا کی جائے (رحمۃُ اللهِ علیہ) اور جن مسائل میں اُن سے خطا ہوئی ہے، اُن مسائل میں اُن کی پیروی نہ کی جائے، وہ اُن مسائل میں معذور ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کی اس رزین و متین رائے کا میں قدر داں ہوں، کسی نے خوب کہا ہے اِنَّمَا يَعْرِفُ الْفَضْلَ ذَوُوْهُ۔ دانش و بینش کی قدر خداوندانِ دانش و بینش ہی کرتے ہیں۔ اور میں اس مبارک دعا پر اپنے رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اے ہمارے پروردگار، ہم کو اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے ہیں، بخش، اور ہمارے دل میں بیر نہ رکھ ایمان والوں کا، اے رب تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔ اور سلام ہو رسولوں پر اور سب خوبی اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔

مراجع کتاب "علامہ ابن تیمیہ اور اُن کے ہمعصر علماء"

نمبر شمار	نام کتاب اور تفصیل
۱	البحر المحیط از علامہ اثیر الدین ابوحیان اندلسی، مطبوعہ مصر۔
۲	تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مطبوعہ دہلی۔
۳	مجموعۂ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مطبوعہ بمبئی در ۱۳۷۴ھ۔
۴	مشکات المصابیح، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی در ۱۲۷۱ھ۔
۵	حصن حصین، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی در ۱۳۳۱ھ۔
۶	طبقات کبریٰ از ابن سعد، مطبوعہ بیروت ۱۳۸۰ھ۔
۷	صحیح بخاری طبع کردہ مولانا احمد علی سہارنپوری در مطبع احمدی میرٹھ ۱۲۸۴ھ۔
۸	ہدی الساری از علامہ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ بولاق مصر در ۱۳۰۱ھ۔
۹	فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ بولاق مصر در ۱۳۰۰ھ۔
۱۰	ارشاد الساری از علامہ قسطلانی مطبوعہ بولاق مصر در ۱۳۰۴ھ۔
۱۱	عمدۃ القاری از علامہ عینی مطبوعہ دار الطباعہ استانبول در ۱۳۰۸ھ۔
۱۲	کنز العمال برہامش مسند احمد حنبل مطبوعہ میمنہ مصر ۱۳۱۳ھ۔
۱۳	اشعۃ اللمعات از شیخ عبد الحق محدث دہلوی مطبوعہ نول کشور در ۱۹۰۷ء۔
۱۴	مسند ابی بکر از علامہ سیوطی مطبوعہ عزیز بیگ در حیدر آباد در ۱۴۰۰ء۔
۱۵	الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر از سیوطی مطبوعہ میمنہ مصر در ۱۳۲۱ھ۔
۱۶	کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ از قاضی عیاض مالکی مطبوعہ استانبول در ۱۳۱۲ھ۔
۱۷	وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ از علامہ سمہودی مطبوعہ مصر در ۱۳۲۶ھ۔
۱۸	لسان المیزان از علامہ ابن حجر عسقلانی، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد در ۱۳۲۹ھ۔
۱۹	فتاوی قاضی خان برہامش فتاوی ہندیہ، مطبوعہ میمنہ مصر در ۱۳۲۳ھ۔
۲۰	فتح القدیر از علامہ ابن الہمام مطبوعہ تجاریہ، مصر در ۱۳۵۶ھ۔
۲۱	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، قسم العبادات، مطبوعہ دار الکتب مصر در ۱۳۴۹ھ۔
۲۲	احیاء علوم الدین از امام غزالی مطبوعہ حلبی، مصر در ۱۳۴۸ھ۔
۲۳	مرصاد العباد از شیخ نجم الدین رازی، قلمی محررہ ۱۳۷۵ھ۔

نمبر شمار	نام کتاب اور تفصیل
۲۴	نفحات الانس از نور الدین عبد الرحمٰن جامی، قلمی۔ در بروچ نوشتہ شدہ ۹۹۲ھ۔
۲۵	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مطبوعۂ مولوی نور احمد پسروری، امرتسر۔
۲۶	ایضاح المقصود من معنی وحدۃ الوجود از علامہ عبد الغنی نابلسی از مجموعہ کتاب بابا اغناطیوس از ص ۳۰۶
۲۷	جامع کرامات الاولیا از علامہ نبہانی مطبوعہ دار الکتب، مصر در ۱۳۲۹ھ۔
۲۸	تاریخ بغداد از حافظ ابو بکر خطیب، مطبوعہ خانجی۔ مصر در ۱۳۴۹ھ۔
۲۹	تاریخ التشریع الاسلامی از محمد خضری بک مطبوعہ عیسٰی بابی، مصر در ۱۳۴۸ھ۔
۳۰	الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ از علامہ تاج الدین سبکی مطبوعہ حسینیہ مصر در ۱۳۲۴ھ۔
۳۱	مرآۃ الجنان از امام یافعی مطبوعۂ دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد در ۱۳۲۷ھ۔
۳۲	رحلہ ابن بطوطہ مطبوعۂ فہمی۔ مصر در ۱۳۲۲ھ۔
۳۳	البدایۃ والنہایہ از ابو الفدا ابن کثیر مطبوعۂ خانجی ۱۳۵۸ھ۔
۳۴	الدرر الکامنہ از حافظ ابن حجر عسقلانی مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد در ۱۳۵۰ھ۔
۳۵	الحوادث الجامعہ از ابن فوطی مطبوعۂ بغداد در ۱۳۵۱ھ۔
۳۶	شذرات الذہب از ابن عماد حنبلی مطبوعۂ بیروت۔
۳۷	مناقب امام اعظم از ابو المؤید مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدر آباد در ۱۳۲۱ھ۔
۳۸	مقدمۂ ابن خلدون۔ مطبوعۂ تجاریہ۔ مصر۔
۳۹	ابجد العلوم از نواب صدیق حسن خان مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۵ھ۔
۴۰	تاریخ ہندوستان از ذکاء اللہ مطبوعہ علی گڑھ۔ ۱۹۱۵ء۔
۴۱	ابن تیمیہ از محمد ابو زہرہ مطبوعہ دار الفکر العربی ۱۹۵۸ء۔
۴۲	حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ از محمد بہجت بیطار مطبوعہ مکتب اسلامی ۱۳۸۰ھ۔
۴۳	ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی از محمد مہدی استانبولی مطبوعۂ دمشق۔
۴۴	تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم از مولانا ابو الحسن علی ندوی مطبوعہ معارف اعظم گڑھ در ۱۳۷۷ھ
۴۵	امام ابن تیمیہ از کوکنی مطبوعہ مدینہ برقی پریس مدراس در ۱۳۷۹ھ۔
۴۶	حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ از عطاء اللہ بھوجیانی مطبوعہ لاہور در ۱۳۸۱ھ۔
۴۷	تذکرۂ مولانا آزاد مطبوعۂ انارکلی۔ لاہور۔
۴۸	مقالات احسانی از مناظر احسن گیلانی مطبوعہ ادارۂ مجلس علمی کراچی در ۱۹۵۹ء۔
۴۹	المسایرہ از علامہ ابن الہمام مطبوعہ امیریہ۔ بولاق مصر در ۱۳۱۷ھ۔

نمبر شمار	نام کتاب اور تفصیل
۵۰	مقالہ شیخ یوسف دیجوی از مجلہ نور الاسلام، ازہر جلد ۴ از صفحہ ۲۵۴ و از صفحہ ۳۱۹۔
۵۱	الرد علی ابن تیمیہ فی خبر الجہۃ از جزء خامس طبقات الشافعیۃ الکبری۔
۵۲	زغل العلم والطلب از علامہ ذہبی مطبوعہ القدسی۔ دمشق در ۱۳۴۷ھ۔
۵۳	النصیحۃ الذہبیہ از علامہ ذہبی مطبوعہ القدسی دمشق در ۱۳۴۷ھ۔
۵۴	العقیدۃ الواسطیہ از علامہ ابن تیمیہ۔ در مجموعہ رسائل کبریٰ جلد اول صفحہ ۳۸۷ مطبوعہ عامرہ مصر در ۱۳۲۳ھ۔
۵۵	شرح حدیث النزول از علامہ ابن تیمیہ مطبوعہ مکتب اسلامی در ۱۳۸۱ھ۔
۵۶	رسالہ لاتشد الرحال از علامہ ابن تیمیہ در مجموعہ رسائل کبریٰ جلد ثانی صفحہ ۵۳۔
۵۷	کتاب الرد علی الاخنائی از علامہ ابن تیمیہ، مطبوعہ سلفیہ، مصر۔
۵۸	الصواعق الالٰہیہ از علامہ سلیمان بن عبدالوہاب، مکتبہ ایشق، استانبول در ۱۳۹۵ھ۔
۵۹	شفاء السقام از علامہ تقی الدین سبکی، مطبوعہ مکتبہ ایشق، استانبول در ۱۳۹۶ھ۔
۶۰	التوسل بالنبی وجہلۃ الوہابیین از ابو حامد بن مرزوق، مطبوعہ ایشق، استانبول در ۱۳۹۵ھ۔
۶۱	الرد الوافر از علامہ ابن الناصر
۶۲	القول الجلی از صفی الدین بخاری
۶۳	الکواکب الدریہ از شیخ مرعی
	(۶۱–۶۳) مجموعہ تسعہ رسائل میں نمبر ۱، ۲، ۳۔ مطبوعہ کردی در مصر در ۱۳۲۹ھ۔
۶۴	التوسل بسید الرسل از سید صدیق حسن خاں۔
۶۵	تطہیر الفؤاد من دنس الاعتقاد از علامہ شیخ محمد بخیت مطیعی۔
۶۶	منتہی الارب فی لغات العرب، مطبوعہ لاہور در ۱۸۷۱ء۔

۲۷ ذوالحجہ ۱۴۰۳ھ

العین

حضرت مصنّف دامت برکاتہٗ

کی

بعض دوسری کتابیں

۱۔ وحدۃ الوجود — ملنے کا پتہ:- ندوۃ المصنّفین، اُردو بازار، دہلی ۶

۲۔ حضرت مجدّد اور اُن کے ناقدین — آفسٹ — ۱۵/.. روپے

۳۔ مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر) پہلی طباعت ۲۰×۲۶/۸ — ۳۰/.. ″

مقاماتِ خیر (سوانح ہادی کامل شاہ ابوالخیر) دوسری طباعت ۱۸×۲۲/۸ — ۲۵/.. ″

۴۔ مقاماتِ اخیار (سوانح حیات حضرت ابوالخیر) فارسی۔ آفسٹ — ۴۰/.. ″

۵۔ منهج الألباء فی السلام علی الانبیاء والرضا عن الأولیا — ۱/۵۰ ″

۶۔ مجموعہ خیر البیان وخیر المورد ونظم شمائل — ۱۰/.. ″

۷۔ بزمِ خیر از زید در جواب بزمِ جمشید۔ زیرِ طباعت بار دوم۔ آفسٹ — ۱۰/.. ″

ملنے کا پتہ

حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، درگاہ شاہ ابوالخیر، شاہ ابوالخیر مارگ

دہلی- ۱۱۰۰۰۶

THE REVIEW OF MAULANA SAID AHMED AKBARABADI HAS BEEN PUBLISHED IN A MAGAZINES ISLAMIC CULTURE VOL-LIV No. 2 (PAGES 132-133) APRIL 1980, HYDERABAD. INDIA.

ALLAMA IBN - TAYAMIYYAH AND HIS CONTEMPORARY ULAMA by Maulana Shah Abul Hasan Zaid Farooqi, small size; pages 129; price not mentioned, address: Dargah Shah Abul Khair Marg, Delhi-6.

The personality of Allama Ibn Taymiyyah (b. 1268 d.1328) has always been controversial among the ulama of various sects of Islam. On the one hand he was one of the greatest erudite scholars ever born in Islam. He combined in his person rare qualities of heart and mind. He was a versatile author and a very forceful writer and orator. Practically he lived an austere, simple, pious and life. On the other hand he was a bitter critic of those great scholars of Islam like Ghazzali and Ibn Arabi from whom he differed on certain points. In his criticism of his opponents he was imprudent, intemperate and intolerant. He seems to have been a man of contradictions on account of which he got equally a large number of friends and foes, admirers and critics, supporters and adversaries.

Having drunk deep Islamic as well as Greek sciences at the hand of great and well-reputed scholars of the age, Ibn-Taymiyyah began his career as a teacher. When he was only 20, even at this young age his deep knowledge of a wide range of subjects coupled with oratory and versatile writings won him fame and name throughout the Islamic world and his contemporary ulama of great repute showered praise upon him, which he deserved upto the age of 40. He is supposed to have been a Hanbalite, in fact he was a free thinker. As such he was bold enough to bluntly express his personal views on certain important issues of Islamic creed, as definitely opposed to the consensus of ulama. An analytical survey of Ibn-Taymiyyah's books, more or less one hundred in number, reveals that his differences with the popular observations of ulama, lie in the following categories:-

1) His difference with the major opinion of Imam Ahmed bin Hanbal though he claims to be a follower of the Imam.

2) On 16 occasions he has ignored the opinion of Imam Ahmed bin Hanbal in toto and adopted the opinion of any one of the remaining three Imams.

3) On 39 occasions he has ignored the juristic opinion of all four Imams and has given his own independent verdict.

4) On 39 occasions he has ignored the unanimous opinion and consensus of Ummah and exercised his own free choice arbitrarily.

This last category termed as rarities or exclusive opinions of Ibn-Taymiyyah ( ) which inter alia include (a) his anthropomorphic interpretation of the ( ) (b) his declaration that to make journey for the main purpose of visiting the tomb of the Prophet is illegal, (c) and his declaration that divorce declared during the period of menstruation is invalid created havoc in the Islamic world with the result that even many of the staunch admirers of Ibn-Taymiyyah from amongst contemporary ulama turned out to be his bitter critics at his advanced age when he began to express his "exclusive opinion with greater force and obduration". A particular sect of Islam has since been perfectly sincere and faithful to Ibn-Taymiyyah, while some sects denounced him totally. Apart from these two groups who take an objective view of the situation concerned, they are full of admiration for Ibn-Taymiyyah for his erudition, high scholarship, achievements and remarkable contributions to Islamic literature, nevertheless they refuse to accept the views of Ibn-Taymiyyah which come under any of the four categories mentioned above. This third group stands by self-restrained while taking into consideration the merits and demerits of Ibn-Taymiyyah in order to determine his real status and position as one of the greatest theologians and erudities of Islam.

The learned author of the book under review, who himself is a well-reputed scholar of Islamic science and a sufi of first order, belongs to the above third group. As such in an attempt to show both sides of the picture, he after giving a life sketch of Ibn-Taymiyyah, has thorough discussed the view of contemporary ulama of Ibn-Taymiyyah concerning him and has given his own reasons based on the Quran, Hadith and the writings of undisputed luminaries of Islam in order to justify or contradict the statements made by Taymiyyah.

The whole treatise is indeed a piece of great scholarship. It is enlightening and worth reading. The preface of the treatise written by Dr. Muhammad Abdul-Sattar Khan of Osmania University provides an account of the biography and accomplishments of the learned author. This is an added charm to the beauty of the book.

- SAID AHMED AKBARABADI -